سورۃ الفاتحہ

ایاتھا ۷ | ١ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ٥ | رکوعھا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

''سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا، بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا، مالک ہے روز جزا کا، تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ چلا ہم کو سیدھے راستہ پر راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

تفسیر سورۃ فاتحہ

اس کے متعلق چار ابواب ہیں۔

الباب الاول

یہ باب سورۃ فاتحہ کے فضائل اور اسکے اسماء کے بارے میں ہے اور اس باب میں سات مسائل کا ذکر ہوگا

مسئلہ نمبر 1: ترمذی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کی مثل کلام نہیں اتارا اور یہ سورہ سبع مثانی (ایسی سات آیات جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) ہے۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان منقسم ہے اور میرے بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے سوال کیا۔(1) مالک نے علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب سے روایت کیا ہے کہ ابو سعید مولیٰ عبداللہ بن عامر بن کریز نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کو بلایا جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر مذکورہ بالا حدیث ذکر کی۔ ابن عبدالبر نے فرمایا: ابو سعید کے نام پر آگاہی نہیں ہوئی وہ اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور ان

1۔ جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجر، صفحہ 140، جلد 2، (وزارت تعلیم) ایضاً، حدیث نمبر 3050، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کی یہ حدیث مرسل ہے اور یہی حدیث ابوسعید بن معلیٰ سے بھی مروی ہے، یہ صحابہ میں سے ایک شخص ہے اس کے نام پر بھی آگاہی نہیں ہوئی۔ اس حدیث کو ابوسعید نے حفص بن عاصم اور عبید بن حسنین سے روایت کیا ہے۔

میں (قرطبی) کہتا ہوں: ''التمہید'' میں اسی طرح ہے کہ اس کے نام پر آگاہی نہیں ہوئی اور ''کتاب الصحابہ'' میں اس کے نام میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ابوسعید بن معلیٰ سے روایت کیا ہے۔ ابوسعید نے فرمایا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی۔ میں نے آپ کو جواب نہ دیا (میں دیر سے حاضر خدمت ہوا) تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ (الانفال: 24) لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک سورت سکھاؤں گا جو قرآن میں سب سورتوں سے عظیم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، جب آپ ﷺ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کی: حضور! آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ میں تجھے ایک سورت سکھاؤں گا جو قرآن میں سب سورتوں سے عظیم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سورت یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ سبع مثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے (1)۔ ابن عبد البر وغیرہ نے فرمایا: ابو سعید بن معلیٰ جلیل القدر انصار میں سے ہے اور انصار کے سرداروں میں سے ہے۔ امام بخاری نے تنہا ان سے روایت کیا ہے۔ اس کا نام رافع ہے۔ اسے حارث بن نفیع بن معلیٰ کہا جاتا ہے اور اوس بن معلیٰ بھی کہا جاتا ہے اور ابوسعید بن اوس بن معلیٰ بھی کہا جاتا ہے ان کا وصال ۷۴ ہجری میں ہوا جبکہ ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ مزید ذکر آگے آئے گا۔ حضرت ابی بن کعب کی حدیث کو یزید بن زریع نے مسند (متصل) ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ہمیں روح بن قاسم نے علاء بن عبد الرحمن سے روایت کر کے بتایا، علاء نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ابی کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر مکمل حدیث کا مفہوم ذکر کیا۔

ابن انباری نے اپنی کتاب ''الرد'' میں ذکر کیا ہے کہ مجھے میرے باپ نے بتایا، انہوں نے فرمایا: مجھے ابوعبید اللہ وراق نے بتایا۔ انہوں نے کہا: ہمیں ابوداؤد نے بیان کیا انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے بتایا انہوں نے منصور سے اور انہوں نے مجاہد سے روایت کیا، فرمایا: ابلیس۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔ چار مرتبہ (افسوس کا اظہار کرتے ہوئے) رویا: (۱) جب اس پر لعنت کی گئی (۲) جب اسے جنت سے نکالا گیا (۳) جب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا (۴) جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی (2)۔

مسئلہ نمبر 2: علماء کا بعض سورتوں اور بعض آیتوں کا دوسری بعض سورتوں اور آیتوں پر فضیلت رکھنے کے متعلق اختلاف

1۔ صحیح بخاری، تفسیر القرآن، صفحہ 642، جلد 2، (وزارت تعلیم)

ایضاً صحیح بخاری تفسیر القرآن، باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب، حدیث 4114، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ الدر المنثور، جلد 1، صفحہ 5، زیر آیت

ہے، (اسی طرح) بعض اسماء حسنیٰ کا دوسرے بعض اسماء حسنیٰ پر فضیلت رکھنے کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: کسی سورت، آیت اور اسم کو دوسری سورت، آیت اور اسم پر فضیلت نہیں ہے کیونکہ قرآن سارا اللہ کا کلام ہے، اسی طرح اس کے اسماء حسنیٰ کے درمیان بھی کوئی تفاضل نہیں ہے یہ قول شیخ ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر بن طیب، ابوحاتم محمد بن حبان بستی اور فقہاء کی ایک جماعت کا ہے۔ امام مالک سے بھی اس کا مفہوم مروی ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا: بعض قرآن کو بعض قرآن پر فضیلت دینا غلطی ہے۔ اسی طرح امام مالک نے ایک سورت کو بار بار پڑھنا یا اسے ہی دہراتے رہنا مکروہ قرار دیا ہے۔ امام مالک سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ: 106) کے تحت یہ مروی ہے کہ ہم منسوخ آیت کی جگہ محکم آیت لے آتے ہیں۔ ابن کنانہ نے امام مالک سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ان علماء نے اس طرح حجت پکڑی ہے کہ افضل، مفضول کے نقص کا شعور دیتا ہے، جبکہ تمام قرآن میں ذاتیت ایک ہے اور وہ کلام اللہ ہونا ہے اور اللہ کے کلام میں کوئی نقص نہیں ہے۔

بستی نے کہا: حدیث کے الفاظ ''تورات و انجیل میں سورۂ فاتحہ کی مثل نہیں اتارا گیا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تورات اور انجیل کو پڑھنے والے کو اتنا ثواب عطا نہیں فرماتا جو ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھنے والے کو عطا فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت (محمدیہ) کو دوسری امتوں پر اپنے فضل خاص سے فضیلت بخشی ہے اور اپنے کلام قرآن کی قراءت پر دوسرے اپنے کلام کی قراءت کی نسبت زیادہ فضیلت دی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس امت کے لئے خاص فضل ہے اور فرمایا: اعظم سورت کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت قرآن کی سورتوں میں سے اجر کے اعتبار سے عظیم ہے، نہ کہ بعض قرآن بعض سے افضل ہے۔

بعض علماء بعض قرآن کی بعض پر فضیلت کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: قرآن کی آیت وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ (البقرہ) آیۃ الکرسی، سورہ حشر کی آخری آیات، سورۂ اخلاص اور وہ سورتیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات پر دلالت کرتی ہیں ان میں جو فضیلت ہے وہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (لہب: 1) اور اس جیسی دوسری سورتوں میں موجود نہیں ہے۔

اور تفضیل معانی عجیبہ اور کثرت معانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ صفت کے اعتبار سے ہے اور یہی حق ہے اور جو علماء تفضیل کے قائل ہیں ان میں سے اسحاق بن راہویہ وغیرہ متکلمین علماء میں سے ہیں اور یہ قول قاضی ابوبکر بن عربی، ابن حصار کا مختار ہے۔ ان علماء کے قول کی وجہ ابوسعید بن معلّٰی اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابی! تیرے نزدیک کتاب اللہ میں کون سی آیت عظیم تر ہے، میں نے عرض کی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (البقرہ: 255) حضرت ابی نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابامنذر! تجھے یہ علم مبارک ہو۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ (1)

ابن حصار نے کہا: مجھے ان علماء پر تعجب ہے جو ان نصوص کے ہوتے ہوئے بھی اختلاف ذکر کرتے ہیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الکہف، صفحہ 271، جلد 1، (قدیمی کتب خانہ)

ابن عربی نے کہا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل اور قرآن میں اس (سورہ فاتحہ) کی مثل نازل نہیں کیا(1)۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باقی کتب کا ذکر نہیں کیا جیسے منزل صحیفے اور زبور وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مذکور دوسری کتب سے افضل ہیں اور جب کوئی چیز کسی افضل سے افضل ہو تو وہ تمام چیزوں سے افضل ہوتی ہے جیسے تیرا قول زید، علماء سے افضل ہے۔ پس وہ تمام لوگوں سے افضل ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ایسی صفات ہیں جو کسی دوسری سورت میں نہیں حتیٰ کہ بعض علماء نے کہا: پورا قرآن اس سورت میں ہے اس کے پچیس کلمات ہیں جو تمام علوم قرآن کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں۔ اس سورت کے شرف میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم فرمایا ہے اور قربت صرف اسی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور کوئی عمل اس کے ثواب کو لاحق نہیں ہوتا۔ اسی مفہوم کی وجہ سے یہ قرآن عظیم کی اصل بن گئی۔ جیسا کہ سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قرآن کا ثلث (۱/۳) ہے(2) کیونکہ قرآن، توحید، احکام اور مواعظ کا نام ہے اور سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں ساری توحید ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا: قرآن میں کون سی آیت عظیم ہے؟ تو حضرت ابی نے کہا اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرہ:255)(3) یہ آیت عظیم ہے کیونکہ یہ تمام توحید ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد افضل ما قلته انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (4) افضل ذکر بن گیا کیونکہ یہ ایسے کلمات ہیں جو توحید میں تمام علوم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ سورۂ فاتحہ توحید، عبادت، وعظ اور نصیحت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں۔

مسئلہ نمبر 3: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آل عمران:18) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ (آل عمران:26) یہ آیات عرش سے معلق ہیں ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے،

ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب البیان میں اس روایت کو متصل نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4: سورہ فاتحہ کے اسماء

اس کے بارہ اسماء ہیں۔

۱۔ الصلاۃ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف، نصف تقسیم کیا(5) یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، صفحہ 7، جلد 1 (دار الفکر)

2۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل القراءۃ قل ہو اللہ احد، صفحہ 271، جلد 1، (قدیمی کتب خانہ) صحیح بخاری، حدیث نمبر 4627، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ ایضاً

4۔ مؤطا امام مالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء، صفحہ 198، جلد 1 (وزارت تعلیم) جامع ترمذی، حدیث نمبر 3305، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب وجوب قراۃ الفاتحہ، صفحہ 170، جلد 1، (قدیمی کتب خانہ)

۲- سورۃ الحمد

چونکہ اس میں حمد کا ذکر ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ سورۃ اعراف، سورۂ انفال اور سورۂ توبہ وغیرہا۔

۳- فاتحہ الکتاب

اس نام میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ لفظاً اس کے ساتھ قرآن کی قراءت کا آغاز کیا جاتا ہے اور خطاً مصحف میں اس کے ساتھ کتابت کا آغاز کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ نمازوں کو شروع کیا جاتا ہے۔

۴- ام الکتاب

اس نام میں اختلاف ہے۔ جمہور نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرات انس، حسن بصری اور ابن سیرین نے مکروہ قرار دیا ہے۔ حسن نے کہا: ام الکتاب حلال اور حرام احکام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران: 7) حضرت انس اور ابن سیرین نے کہا: ام الکتاب لوح محفوظ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ (الزخرف: 4)

۵: ام القرآن

اس نام میں بھی اختلاف ہے۔ جمہور نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت انس اور ابن سیرین نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ احادیث ثابتہ ان دونوں اقوال کی تردید کرتی ہیں۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للہ ام القرآن، ام الکتاب اور السبع المثانی ہے(1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بخاری میں ہے فرمایا: ام الکتاب نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ مصاحف میں اس کے لکھنے کے ساتھ آغاز کیا جاتا ہے اور نماز میں اس کی قراءت کے ساتھ آغاز کیا جاتا ہے(2)۔ یحییٰ بن یعمر نے کہا: ام القریٰ مکہ ہے، ام خراسان مرو ہے اور ام القرآن سورۂ الحمد ہے(3)۔ بعض علماء نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کو ام القرآن اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قرآن کے آغاز میں ہے اور قرآن کے تمام علوم کو متضمن ہے۔ اسی وجہ سے مکہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے کیونکہ مکہ، زمین کا پہلا ٹکڑا ہے پھر اس سے زمین پھیلائی گئی۔

اسی وجہ سے ماں کو ام کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نسل کی اصل ہوتی ہے اور امیہ بن ابی الصلت کے قول میں زمین کو ام کہا گیا ہے۔

فالارض معقلنا و کانت امنا فیھا مقابرنا و فیھا نولد

زمین ہماری پناہ گاہ ہے اور زمین ہماری اصل ہے اس میں ہماری مقابر ہیں اور اس میں ہماری پیدائش ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 205، جلد 1 (وزارت تعلیم)

ایضاً سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فاتحۃ الکتاب، حدیث 1245، جامع ترمذی، حدیث نمبر 3049، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ المحرر الوجیز، صفحہ 65، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ) 3۔ ایضاً

جنگ کے جھنڈے کو بھی اِم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ آگے ہوتا ہے اور لشکر اس کی پیروی کرتا ہے اور ام کی اصل امۃ ہے۔ اسی وجہ سے اس کی جمع امھات آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء:23)۔ بغیر ھاء کے امات بھی کہا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا: فَرَجْتَ الظَّلَامَ بِاُمَّاتِكَا۔ تو نے اپنی نسبی شرافت سے تاریکیوں کو ختم کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا: انسانوں میں امھات اور چوپاؤں میں امات بولا جاتا ہے ابن فارس نے ''المجمل'' میں یہی بیان کیا ہے۔

٦-المثانی

یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس امت کے لئے خاص کی گئی ہے پہلی امتوں میں سے کسی پر یہ نازل نہیں ہوئی، اسی امت کے لئے محفوظ کی گئی تھی۔

٧-القرآن العظیم

یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے ضمن میں قرآن کے تمام علوم ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمال وجلال کے ساتھ اس کی ثنا پر مشتمل ہے اور عبادت کے امر اور اخلاص، بغیر اعانت الٰہیہ کے کسی کام کرنے سے عجز کے اعتراف پر مشتمل ہے نیز صراط مستقیم کی طرف ہدایت کے لئے اسی کی بارگاہ میں تضرع وزاری پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں عہد توڑنے والوں کے احوال کی کفایت بھی ہے اور محنت کرنے والوں کے انجام کے بیان پر مشتمل ہے۔

٨-الشفاء

دارمی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب ہر زہر سے شفاء ہے(1)۔

٩-الرقیۃ (دم کرنا)

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث سے یہ نام ثابت ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا، جس نے قبیلہ کے سردار کو دم کیا تھا: تجھے کیا معلوم کہ یہ دم ہے۔ حضرت ابوسعید نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایک چیز تھی جو میرے دل میں ڈالی گئی تھی(2)۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مکمل آگے آئے گی۔

١٠-اساس

ایک شخص نے امام شعبی سے اپنے پہلو میں درد کی شکایت کی تو امام شعبی نے کہا: تو اساس القرآن، فاتحۃ الکتاب پڑھ۔ میں نے حضرت ابن عباس کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کے لئے ایک اساس (بنیاد) ہوتی ہے، دنیا کی اساس مکہ ہے، کیونکہ اس سے زمین پھیلائی گئی اور آسمانوں کی اساس عریب ہے یہ ساتواں آسمان ہے، زمین کی اساس عجیب ہے، یہ نچلی ساتویں

1۔ سنن دارمی، صفحہ 320، جلد 1 (مدینۃ المنورہ الحجاز)

2۔ صحیح بخاری، صفحہ 854، جلد 2 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الاجارہ باب مایعطی فی الرقیۃ، حدیث نمبر 2115، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

زمین ہے، جنتوں کی اساس جنت عدن ہے، یہ جنتوں کی ناف ہے اس پر جنت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ آگ کی اساس جہنم ہے اور نیچے والا ساتواں طبقہ ہے اس پر درکات کی بنیاد رکھی گئی ہے، خلق کی اساس آدم ہیں اور انبیاء کی اساس نوح ہیں، بنی اسرائیل کی اساس یعقوب ہیں، کتب کی اساس قرآن ہے، قرآن کی اساس سورۂ فاتحہ ہے، سورہ فاتحہ کی اساس بسملہ ہے جب تو بیمار ہو یا تجھے تکلیف ہو تو تجھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے، تجھے شفا ہوگی۔

۱۱- وافیہ

سفیان بن عیینہ نے یہ نام بیان کیا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ نصف نصف نہیں ہوتی اور جدائی کو برداشت نہیں کرتی۔ اگر کوئی باقی سورتوں میں سے کسی سورت کا نصف ایک رکعت میں پڑھے اور نصف دوسری رکعت میں پڑھے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر سورۂ فاتحہ کو آدھا آدھا کر کے دو رکعتوں میں پڑھے تو جائز نہ ہوگا۔

۱۲- کافیہ

یحیٰی بن ابی کثیر نے فرمایا: اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ باقی تمام سورتوں سے کفایت کرتی ہے جبکہ باقی تمام سورتیں اس سے کفایت نہیں کرتیں۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن خلاد اسکندرانی نے روایت کی، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام القرآن دوسری تمام سورتوں کا بدل ہے جبکہ دوسری سورتیں اس کا بدل نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 5: مہلب نے کہا: دم کا مقام یہ ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ بعض علماء نے فرمایا: پوری سورت دم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا: جس نے سورۂ فاتحہ سے دم کرنے کی خبر دی تھی: تجھے کیسے معلوم تھا کہ یہ سورت دم ہے (2)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں دم ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ پوری سورت دم ہے کیونکہ یہ کتاب کا آغاز ہے اور تمام علوم کو متضمن ہے جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 6: دوسری چیزوں کا نام الثانی اور ام الکتاب رکھنے کی وجہ سے اس کا نام الثانی اور ام الکتاب رکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ (الزمر: 23) اس آیت میں کتاب پر مثانی کا اطلاق فرمایا ہے کیونکہ اس میں اخبار بار بار بیان کی جاتی ہیں۔ سبع طوال سورتوں کو بھی مثانی کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں فرائض اور قصص دہرائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبعاً من المثانی دی گئیں۔ فرمایا: اس سے مراد السبع الطوال سورتیں ہیں (3) یہ قول نسائی نے ذکر کیا ہے اور السبع الطوال سورتیں سورۂ بقرہ سے اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: سورۂ یونس ساتویں ہے، بعض نے فرمایا: سورۂ انفال اور توبہ ہے۔ یہ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر کا قول ہے۔ اعشیٰ ہمدان نے کہا تھا:

1۔ سنن دارقطنی، صفحہ 322، جلد 1 (دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ)

2۔ صحیح بخاری، صفحہ 854، جلد 2 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الاجارہ باب مایعطی فی الرقیۃ، حدیث 2115، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن نسائی، صفحہ 146، جلد 1 (و ت)۔ کتاب افتتاح الصلاۃ، باب تاویل قول اللہ لقد آتیناک سبعا من المثانی، حدیث 905، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فلجوا المسجد و ادعوا ربکم وادرسوا هذی المثانی الطول

یعنی مساجد میں داخل ہو جاؤ اور اپنے رب کو پکارو اور یہ مثانی اور طوال سورتیں پڑھو۔

مزید بیان ان شاء اللہ سورۃ الحجر میں آئے گا۔

مسئلہ نمبر 7: المثانی، مثنیٰ کی جمع ہے اس سے مراد دوسری ہے، طُوَل جمع ہے اطول کی، الانفال کو مثانی کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ مقدار میں طویل سورتوں کے بعد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وہ سورت ہے جس کی آیات مفصل سورتوں سے زائد ہیں اور مئین سورتوں سے کم ہیں۔ مئون ان سورتوں کو کہا جاتا ہے جن میں سے ہر سورت کی سو سے زائد آیات ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

یہ باب سورۂ فاتحہ کے نزول اور اس کے احکام کے بارے میں ہے۔ اس میں بیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں، مگر صرف حسین الجعفی سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کی چھ آیات ہیں (1)۔ اور یہ قول شاذ ہے۔ (اسی طرح) عمرو بن عبید سے مروی ہے کہ اس نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو علیحدہ آیت شمار کیا ہے (2) اور آٹھ آیات بنائی ہیں۔ یہ قول بھی شاذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ (الحجر: 87) اور فرمایا: میں نے نماز کو تقسیم کیا (3)۔ (الحدیث) یہ آیت اور حدیث ان دونوں اقوال کا رد کرتی ہیں۔

اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ یہ سورۂ قرآن سے ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہ قرآن میں سے ہوتی تو حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے مصحف میں اسے لکھتے، جب انہوں نے اسے اپنے مصحف میں نہیں لکھا تو یہ دلیل ہے کہ یہ قرآن میں سے نہیں ہے، جیسا کہ معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) کا حکم ان کے ہاں تھا۔

اس کا جواب ابوبکر انباری نے یہ دیا ہے۔ فرمایا: ہمیں حسن بن حباب نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سلیمان بن اشعث نے بتایا انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی قدامہ نے بتایا انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے اعمش سے روایت کر کے بتایا، فرمایا: میرا خیال ہے انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا، ابراہیم نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا گیا تم اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ کیوں نہیں لکھتے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: اگر میں اسے لکھتا تو میں اسے ہر سورت کے ساتھ لکھتا۔ ابوبکر نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ ہر رکعت میں تلاوت کی گئی سورت سے پہلے ام القرآن سے آغاز کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میں نے اس کو چھوڑ کر اختصار کیا ہے اور میں نے اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ مسلمان اس کو محفوظ کئے ہوئے ہیں میں نے اسے کسی ایک جگہ پر نہیں لکھا۔ مجھ پر لازم تھا کہ میں اسے ہر سورت کے ساتھ لکھتا کیونکہ نماز میں یہ ہر سورت سے مقدم ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ مکی سورت ہے یا مدنی سورت ہے۔ حضرات ابن عباس، قتادہ اور ابو العالیہ الریاحی اس کا نام رفیع ہے وغیرہم نے فرمایا: یہ سورت مکی ہے۔ حضرات ابوہریرہ، مجاہد، عطاء بن یسار، زہری وغیرہم نے

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 69، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)　　2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ وجوب قراۃ الفاتحہ، صفحہ 170، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

فرمایا: یہ مدنی سورت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا نصف مکہ میں نازل ہوا اور نصف مدینہ میں نازل ہوا۔ یہ قول ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝ یہ آیت سورۃ الحجر کی ہے اور سورۃ الحجر بالاجماع مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز مکہ میں فرض تھی اور اسلام میں کبھی بغیر الحمد کے نماز نہیں تھی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: ''لا صلاۃ اِلا بفاتحۃ الکتاب'' (1) (سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں)۔ یہ حکم کے متعلق خبر ہے نہ کہ ابتدا کے متعلق خبر ہے۔ واللہ اعلم

قاضی ابن طیب نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ قرآن کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا۔ بعض علماء نے فرمایا: سورۂ مدثر۔ بعض نے فرمایا: اقرأ۔ بعض نے فرمایا: سورۂ فاتحہ۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو فرمایا: جب میں تنہا خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں، اللہ کی قسم! مجھے کچھ ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا: معاذ اللہ! اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ کے ساتھ ایسا کرے، اللہ کی قسم! تم امانت کو ادا کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، بات سچی کرتے ہو۔ جب حضرت ابو بکر داخل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہیں تھے۔ حضرت خدیجہ نے حضرت ابو بکر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتائی اور کہا: اے عتیق! تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس جاؤ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابو بکر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ہمارے ساتھ ورقہ کی طرف چلو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہیں یہ بات کس نے بتائی ہے۔ ابو بکر نے کہا: خدیجہ نے۔ پس دونوں ورقہ کی طرف چلے اور اسے صورت حال بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں تنہا ہوتا ہوں تو پیچھے سے یا محمد، یا محمد کی آواز سنتا ہوں، پھر میں زمین میں بھاگ پڑتا ہوں۔ ورقہ نے کہا: ایسا نہ کیا کر۔ جب تیرے پاس آواز آئے تو ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ وہ جو کہے سن لو، پھر میرے پاس آؤ اور مجھے بتاؤ۔ جب آپ تنہائی میں تھے تو آواز آئی۔ یا محمد! کہو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝ کہو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس آئے اور یہ سب کچھ ذکر کیا۔ ورقہ نے آپ سے کہا: بشارت ہو، بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہ ہے جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور تو موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل پر ہے، تو نبی مرسل ہے، تو ایک وقت جہاد کا حکم دے گا۔ اگر مجھے وہ وقت میسر آیا تو میں آپ کے ساتھ مل کر ضرور جہاد کروں گا۔ جب ورقہ فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ورقہ کو جنت میں دیکھا اس پر ریشمی کپڑے تھے، کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھی (2)۔ بیہقی نے فرمایا: یہ حدیث منقطع ہے اگر یہ محفوظ ہو تو پھر یہ احتمال ہوگا کہ یہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے نزول کے بعد الحمد کے نزول کی خبر ہو۔

1۔ صحیح بخاری، صفحہ 104، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب وجوب القراۃ للامام والماموم، حدیث 714، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ دلائل النبوۃ، جماع ابواب المبعث، باب مبتدا المبعث والتنزیل

مسئلہ نمبر 3: ابن عطیہ نے کہا: بعض علماء نے گمان کیا کہ جبریل سورۃ الحمد کے ساتھ نازل نہیں ہوئے کیونکہ مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، فرمایا: جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر سے ایک آواز سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا ہے۔ جبریل نے کہا: یہ فرشتہ زمین پر اترا ہے آج سے پہلے کبھی نہیں اترا، اس نے سلام کیا اور کہا: تمہیں دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے۔ (وہ نور یہ ہیں) فاتحۃ الکتاب اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ آپ ان میں سے کوئی حرف نہیں پڑھیں گے مگر تمہیں وہ عطا کیا جائے گا (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: حقیقت اس طرح نہیں ہے جس طرح بعض علماء نے گمان کیا ہے کیونکہ یہ حدیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس فرشتے سے پہلے آئے۔ اس کی آمد اور جو کچھ وہ لے کر آ رہا تھا اس کے متعلق آگاہ کیا۔ اس بنا پر جبریل اس کے نزول میں شریک ہو گیا۔ واللہ اعلم

میں (علامہ قرطبی) کہتا ہوں: حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا تھا اور جبریل اس سورت کو لے کر آئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ (الشعراء) یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ سارا قرآن جبریل امین لے کر آئے۔ پس جبریل اس کی تلاوت مکہ ے لے کر آئے ہوں گے اور یہ فرشتہ مدینہ طیبہ میں اس کا ثواب لے کر آیا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ سورت مکی، مدنی ہے جبریل امین اس کو دو مرتبہ لے کر آئے تھے۔ یہ قول ثعلبی نے حکایت کیا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ ہمارا قول قرآن وسنت کو جمع کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 4: یہ پہلے گزر چکا ہے کہ بسم اللہ صحیح قول کے مطابق اس سورت کا جز نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو نماز کا حکم یہ ہے کہ جب وہ تکبیر تحریمہ کہے تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور خاموش نہ رہے، نہ تو جیہہ ذکر کرے اور نہ تسبیح کیونکہ حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں جو پیچھے گزر چکی ہیں۔ جبکہ توجیہہ، تسبیح اور سکوت کی احادیث بھی موجود ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے یہ فرمایا ہے: حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ یہ دونوں حضرات جب نماز شروع کرتے تھے تو یہ پڑھتے تھے: سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالى جدك و لا اله غيرك (2) حضرات سفیان، احمد، اسحاق اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قول وہ ہے جو حضرت علی سے مروی ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے: وجهت وجهي (3) اس کو مسلم نے ذکر کیا ہے۔ پوری حدیث سورۂ انعام کے آخر میں آئے گی۔ اس مسئلہ میں مکمل گفتگو وہاں آئے گی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل الفاتحة و خواتيم سورة البقرة، صفحہ 271، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، صفحہ 172، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

3۔ ایضاً، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی صلاۃ و قیامہ، صفحہ 263، جلد 1

ابن منذر نے کہا: یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں تکبیر (تحریمہ) کہتے تو قراءت سے پہلے تھوڑی دیر خاموش رہتے اور یہ دعا پڑھتے: اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق و المغرب اللھم نقنی من خطایای کما یُنَقّی الثوبُ الابیض من الدنس اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد۔ حضرت ابوہریرہ نے اس پر عمل کیا۔ ابوسلمۃ بن عبدالرحمن نے کہا: امام کے لئے دو سکتے ہیں۔ ان سکتوں میں قراءت کو غنیمت جانو (1)۔ حضرات اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز، امام احمد بن حنبل کا میلان بھی اس مسئلہ میں نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف ہے۔

مسئلہ نمبر 5: نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے وجوب میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے متبعین علماء نے فرمایا: یہ امام اور منفرد کے لئے ہر رکعت میں متعین ہے۔ ابن خویز منداد بصری مالکی نے کہا: امام مالک کا قول مختلف نہیں ہے کہ جو دو رکعت والی نماز میں ایک رکعت میں الحمد شریف پڑھنا بھول جائے تو اس کی نماز باطل ہے اور جائز نہیں ہے اور اس شخص کے متعلق امام مالک کا قول مختلف ہے جو چار یا تین رکعت والی نماز میں کسی ایک رکعت میں الحمد بھول جائے، کبھی تو فرمایا: وہ نماز کا اعادہ کرے اور کبھی فرمایا: سجدہ سہو کرے۔ ابن عبد حکیم وغیرہ نے امام مالک سے یہ روایت کیا ہے۔ ابن خویز منداد نے فرمایا: یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس رکعت کا اعادہ کرے اور سلام کے بعد نمازی دوسری رکعت پڑھے گا جیسا کہ وہ شخص جس نے بھول کر سجدہ ساقط کر دیا۔ یہ ابن قاسم کا مختار مذہب ہے۔ حضرت حسن بصری، اکثر اہل بصرہ اور مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی مدنی نے کہا: جب کوئی شخص نماز میں ایک مرتبہ ام القرآن پڑھ لے تو وہ کافی ہو جائے گی، اس پر اعادہ نہ ہوگا کیونکہ نماز میں اس نے ام القرآن پڑھ لی ہے۔ پس اس کی نماز مکمل ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کی نماز مکمل نہیں جس نے ام القرآن (الحمد) نہیں پڑھی (2)۔ اور اس شخص نے الحمد ایک مرتبہ پڑھ لی ہے (پس اس کی نماز مکمل ہوگی)۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس کی نماز نہیں جس نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ یہی قول صحیح ہے جیسا کہ آگے وضاحت آئے گی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس کی نماز نہیں جس نے نماز کی اکثر رکعات میں الحمد شریف نہیں پڑھی۔ یہی اختلاف کا سبب ہے۔ واللہ اعلم

حضرات امام ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی نے فرمایا: اگر جان بوجھ کر پوری نماز میں الحمد شریف چھوڑ دی اور کوئی دوسری سورت پڑھ دی تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ امام اوزاعی سے اس کے متعلق اختلاف مروی ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن نے کہا: قراءت کی کم از کم مقدار تین آیات ہیں یا ایک بڑی آیت ہے جیسے قرضہ والی آیت۔ اور امام محمد سے یہ بھی مروی ہے۔ فرمایا: میں آیت کی مقدار اور کلمہ مفہومہ کی مقدار میں اجتہاد کو جائز قرار دیتا ہوں جیسے الحمد للہ، اور میں ایسے حرف کو جائز قرار نہیں دیتا جو کلام نہ ہو۔

علامہ طبری نے فرمایا: نمازی ہر رکعت میں الحمد کی تلاوت کرے گا، اگر الحمد نہیں پڑھے گا تو نماز جائز نہ ہوگی مگر یہ کہ الحمد کی

1۔ صحیح بخاری، صفحہ 103، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب مایقول بعد التکبیر، حدیث 702، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، صفحہ 169، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

مثل قرآن سے الحمد کی آیات کی تعداد اور اس کے حروف کی تعداد کے مطابق تلاوت کرے۔
ابن عبدالبر نے کہا: اس کا کوئی مطلب نہیں کیونکہ الحمد کی تعیین اور تخصیص نے اس حکم کے ساتھ اس کو خاص کر دیا ہے اور یہ محال ہے کہ جس پر الحمد کا پڑھنا واجب ہے وہ اس کا بدل پڑھ لے اور الحمد چھوڑ دے جبکہ وہ الحمد پڑھنے پر قادر بھی ہو بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ الحمد ہی پڑھے اور اسی کی طرف لوٹنے جیسا کہ دوسری عبادات میں متعین فرائض ہیں۔

مسئلہ نمبر 6: مقتدی اگر امام کو رکوع میں پالے تو امام مقتدی کی طرف سے قراءت کرنے والا ہوگا کیونکہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ مقتدی امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو مقتدی تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے، قراءت نہ کرے اور اگر امام کو قیام میں پائے تو قراءت کرے۔

مسئلہ نمبر 7: اور کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ امام کے پیچھے سری نماز میں قراءت چھوڑ دے۔ اگر وہ قراءت چھوڑ دے گا تو اچھا نہیں کرے گا، لیکن امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور جب امام جہری قراءت کر رہا ہو تو پھر یہ مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 8: امام کے پیچھے جہری نماز میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی دوسری سورت پڑھے۔ امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (الاعراف: 204) (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''کیا بات ہے مجھ سے قرآن میں جھگڑا کیا جارہا ہے'' (1)۔ اور نبی کریم ﷺ کا امام کے بارے ارشاد ہے: ''جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو'' (صحیح مسلم۔ کتاب الصلاۃ)۔ اور ارشاد فرمایا: ''جس کا امام ہو، امام کی قراءت اس کی قراءت ہے'' (2)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور امام شافعی سے یہ قول بویطی اور امام احمد بن حنبل نے حکایت فرمایا کہ کسی کی نماز نہ ہوگی حتی کہ وہ ہر رکعت میں الحمد پڑھے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی ہو۔ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری۔ امام شافعی عراق میں مقتدی کے بارے میں کہتے تھے جب امام سری قراءت کرے تو مقتدی قراءت کرے اور جب جہری قراءت کرے تو مقتدی قراءت نہ کرے جیسا کہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ اور امام شافعی کے مصر میں امام کے جہری قراءت کرنے کی صورت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدی قراءت کرے دوسرا یہ کہ امام کی قراءت کافی ہے مقتدی خود قراءت نہ کرے۔ یہ ابن منذر نے حکایت کیا ہے۔ ابن وہب، اشہب، ابن عبدالحکم، ابن حبیب اور کوفہ کے علماء نے کہا: مقتدی بالکل قراءت نہ کرے۔ خواہ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری قراءت کر رہا ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: امام کی قراءت، مقتدی کی قراءت ہے (3) یہ حکم عام ہے اور جابر کا قول ہے: جس نے نماز پڑھی اور اس میں الحمد نہیں پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو (4)۔

1۔ موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، باب ترک القراءۃ خلف الامام، صفحہ 59، جلد 1 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 61، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب اقامۃ الصلاۃ، اذا قرأ الامام فانصتوا، حدیث 839، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ ایضاً　4۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب، صفحہ 42، جلد 1 (وزارت تعلیم)

مسئلہ نمبر 9: ان اقوال میں سے صحیح قول امام شافعی، امام احمد کا ہے اور امام مالک کا دوسرا قول ہے کیونکہ ہر شخص کے لئے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بالعموم متعین ہے (☆)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس کی نماز نہیں جس نے نماز میں الحمد نہیں پڑھی (1)۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے نماز پڑھی اور اس میں الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز ناقص ہے (2)۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اعلان کروں کہ سورہ الحمد اور اس سے زائد کی قراءت کے بغیر نماز نہیں (3)۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے، جس طرح کہ کسی رکعت کا سجدہ اور رکوع دوسری رکعت کے قائم مقام نہیں ہوتا اسی طرح ایک رکعت کی قراءت دوسری رکعت کے قائم مقام نہیں ہوتی۔

عبداللہ بن عون، ایوب ختیانی اور ابوثور وغیرہ اصحاب شوافع، داؤد بن علی نے بھی یہی کہا ہے۔ اس کی مثل اوزاعی سے بھی مروی ہے اور یہی قول مکحول کا بھی ہے۔ حضرات عمر بن خطاب، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، ابی بن کعب، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبادہ بن صامت، ابو سعید خدری، عثمان بن ابی عاص اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، فرماتے ہیں: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ یہی قول حضرت ابن عمر کا ہے اور اوزاعی کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ یہ صحابہ مقتداء ہیں اور ان ذوات میں اسوہ ہے یہ تمام حضرات ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

امام ابوعبداللہ بن محمد یزید بن ماجہ القزوینی نے اپنی سنن میں ایسی روایت نقل کی ہے جو اختلاف کو ختم کر دیتی ہے اور ہر احتمال کو زائل کر دیتی ہے۔ فرمایا: ہمیں ابو کریب نے بتایا، انہوں نے فرمایا: ہمیں محمد بن فضیل نے بتایا۔ دوسری سند اس طرح ہے ہمیں سوید بن سعید نے بتایا، ہمیں علی بن مسہر نے بتایا تمام نے ابوسفیان سعدی سے روایت کیا، انہوں نے ابونضرہ سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے ہر رکعت میں الحمد اور کوئی دوسری سورت نہیں پڑھی (4)۔ خواہ فرضی نماز ہو یا نفلی نماز ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جس کو آپ نماز سکھا رہے تھے: ''تو اس طرح اپنی تمام نماز میں کر (5)''۔ آگے یہ حدیث تفصیل سے آئے گی۔ دوسری دلیل اس کے متعلق وہ روایت ہے جو ابو داؤد نے نافع بن محمود الربیع سے روایت کی ہے، فرمایا: حضرت عبادہ بن صامت صبح کی نماز میں لیٹ ہو گئے تو ابونعیم مؤذن نے تکبیر کہی اور خود ہی لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ حضرت عبادہ بن صامت آئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا حتیٰ کہ ہم نے ابونعیم کے پیچھے صف بنائی، ابونعیم جہری قراءت کر رہے تھے عبادہ نے الحمد پڑھنی شروع کر دی جب سلام پھیرا تو میں نے عبادہ سے کہا: میں تجھے الحمد پڑھتے ہوئے سن رہا تھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب قراۃ الفاتحہ، صفحہ 169، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

2۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ باب لاصلوٰۃ الابفاتحہ الکتاب، صفحہ 42، جلد 1 (وزارت تعلیم)

3۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 118، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ، حدیث نمبر 697، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 61، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، باب القراءۃ خلف الامام، حدیث نمبر 829، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 119، جلد 1 (د ت)۔ کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، حدیث 701، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

☆ جب امام کی قراءت مقتدی کی کفالت کر جاتی ہے تو پھر احناف کا قول راجح ہوگا کیونکہ مقتدی جب امام کو رکوع میں پائے تو اس کی رکعت مکمل ہو جاتی ہے۔ مترجم

جبکہ ابونعیم جہری قراءت کررہے تھے؟ عبادہ نے کہا: ہاں۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی جس میں آپ جہری قراءت کر رہے تھے، آپ پر قراءت خلط ملط ہوگئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ انور پھیر لیا اور فرمایا: کیا تم قراءت کرتے ہو جب میں جہری قراءت کرتا ہوں؟ ہم میں سے بعض نے کہا: ہم واقعی ایسا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، میں کہہ رہا تھا مجھے کیا ہے کہ مجھ سے قرآن چھینا جا رہا ہے، تم قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا کرو جب میں جہری قراءت کر رہا ہوں، مگر صرف سورہ الحمد (پڑھا کرو) (1)۔ یہ مقتدی کے بارے میں نص صریح ہے کہ وہ بھی سورہ الحمد پڑھے۔ اس حدیث کا معنی ابوعیسیٰ ترمذی نے محمد بن اسحاق کی حدیث سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں اس حدیث پر اکثر اہل علم صحابہ اور تابعین کا عمل ہے۔ حضرات مالک بن انس، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ یہ حضرات امام کے پیچھے قراءت کا نظریہ رکھتے تھے۔

اس حدیث کو دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ اسناد حسن ہے۔ اس کے راوی تمام ثقہ ہیں اور انہوں نے ذکر کیا کہ محمود بن ربیع ایلیاء میں رہتے تھے اور ابونعیم پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں اذان دی۔ ابو محمد عبد الحق نے کہا: نافع بن محمود کو بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر نہیں کیا اور نہ ابن ابی حاتم نے اسے ذکر کیا اور نہ بخاری اور مسلم نے اس سے کوئی چیز نقل کی۔ اس کے متعلق ابو عمر نے فرمایا: یہ مجہول ہے۔ دارقطنی نے یزید بن شریک سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے عمر سے قراءت خلف الامام کے بارے پوچھا تو انہوں نے مجھے قراءت خلف الامام کا حکم دیا۔ میں نے کہا: اگر آپ بھی امام ہوں؟ انہوں نے کہا: اگرچہ میں بھی ہوں۔ میں نے کہا: اگرچہ آپ جہری قراءت کر رہے ہوں؟ انہوں نے کہا: اگرچہ میں جہری قراءت کر رہا ہوں (2)۔ دارقطنی نے کہا: یہ سند صحیح ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے (3) جو کچھ وہ کرے تم بھی وہ کرو۔ ابوحاتم نے کہا: یہ اس کے لئے (دلیل) صحیح ہے جو امام کے پیچھے قراءت کا قائل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے الفارسی کو یہی فتویٰ دیا تھا کہ وہ دل میں قراءت کیا کرے جب اس نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا تھا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا گیا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اس کا نصف میرے لئے ہے اور اس کا نصف میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو۔ بندہ کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (4) (الحدیث)

مسئلہ نمبر 10: پہلے علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد واذا قرأ فانصتوا (5) (جب امام قرأت کرے تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ، صفحہ 170، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)
2۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ ام الکتاب، صفحہ 317، جلد 1 (دار المحاسن للطباعۃ القاہرہ)
3۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 77، جلد 1 (د۔ت)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یجب علی المؤذن من تعاہد الوقت، حدیث 434، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب ترک قراءۃ بسم اللہ فی الفاتحہ، صفحہ 144، جلد 1 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الصلوٰۃ، صفحہ 174، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

خاموش رہو) سے استدلال کیا ہے۔ اسے مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث سے نقل کیا ہے اور فرمایا: جریر عن سلیمان عن قتادہ کی سند سے جو حدیث مروی ہے اس میں زیادتی ہے: واذا قرأ فانصتوا۔ دارقطنی نے کہا: قتادہ سے اس زیادتی کو ذکر کرنے میں سلیمان تیمی کی متابعت نہیں کی گئی بلکہ قتادہ کے شاگردوں میں سے حفاظ نے اس کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ حفاظ حدیث میں یہ افراد شامل ہیں: شعبہ، ہشام، سعید بن ابی عروبہ، ہمام، ابوعوانہ، معمر، عدی بن ابی عمارہ۔ دارقطنی نے کہا: ان حفاظ کا اجماع دلیل ہے کہ سلیمان تیمی کو ان الفاظ میں وہم ہوا ہے۔ عبداللہ بن عامر عن قتادہ کی سند سے تیمی کی متابعت مروی ہے لیکن وہ قوی نہیں ہے۔ قطان نے اس کو ترک کیا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے یہ زیادہ نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ زیادتی اذا قرء فانصتوا محفوظ نہیں ہے (1)۔ ابومحمد عبدالحق نے ذکر کیا ہے کہ مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح کہا ہے اور فرمایا: یہ میرے نزدیک بھی صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مسلم کا حضرت ابوموسیٰ کی حدیث سے ان الفاظ کو اپنی کتاب میں داخل کرنا ان کے نزدیک اس کی صحت کی دلیل ہے اگرچہ اس کی صحت کا تمام علماء کا اجماع نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابن منذر نے صحیح کہا ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (الاعراف: 204) تو یہ مکہ میں نازل ہوا اور نماز میں کلام کرنے کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا: پس اس میں حجت نہ رہی کیونکہ مقصود مشرکین تھے جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب نے کہا ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آواز بلند کرنے کے بارے نازل ہوئی۔ اور دارقطنی نے فرمایا: عبداللہ بن عامر ضعیف ہے۔ رہا حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کیا بات ہے کہ قرآن مجھ سے چھینا جا رہا ہے (2)۔ اسے امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے ابن اکیمہ لیثی سے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے اس کے نام کے بارے فرمایا: عمرو۔ جبکہ دوسرے محدثین نے کہا: عامر، بعض نے کہا: یزید، بعض نے کہا: عمارہ، بعض نے کہا: عباد، اس کی کنیت ابوالولید تھی، ایک سو ایک ہجری میں اس کا وصال ہوا جبکہ اس کی عمر ۹۹ سال تھی۔ ان سے زہری نے صرف یہی حدیث روایت کی ہے اور یہ ثقہ ہے۔ محمد بن عمرو وغیرہ نے اس سے روایت کیا ہے۔ اس کی حدیث میں یہ معنی موجود ہے جب میں بلند آواز سے قراءت کروں تو تم بلند آواز سے قراءت نہ کرو کیونکہ یہ تنازع، چھیننا اور تخالج ہے (بلکہ) دل میں پڑھو۔ حضرت عبادہ کی حدیث اور حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی اس حدیث کے مفہوم کو بیان کرتے ہیں۔ اگر مالی انازع القرآن (کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن چھینا جا رہا ہے) (3) سے وہ یہ منع کا مفہوم سمجھتے تو اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔ حضرت ابن اکیمہ کی حدیث میں زہری کا قول ہے کہ کچھ لوگ اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قراءت کرتے تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔ یہاں قراءت سے مراد الحمد ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا

1۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 69، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ کتاب الصلوٰۃ، باب الامام یصلی من قعود، حدیث 511، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مؤطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ، باب ترک القراءۃ باب خلف الامام فیما جہر فیہ، صفحہ 69، جلد 1 (وزارت تعلیم)

3۔ ایضاً

ہے۔ وباللہ توفیقنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں توفیق ملتی ہے۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ”جس کا امام ہو، تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے“ (1)۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حسن بن عمارہ نے اسے متصل ذکر کیا ہے اور وہ متروک ہے۔ ابوحنیفہ (امام اعظم) وہ بھی ضعیف ہے (یہ تبصرہ تعجب کی بات ہے خصوصاً جب حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے محدث آپ کی شاگردی پر فخر کریں۔ مترجم)۔ ان دونوں حضرات نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کی ہے۔ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے اور فرمایا: اس حدیث کو حضرات سفیان ثوری، شعبہ، اسرائیل، ابن یونس، شریک، ابو خالد الدالانی، ابو الاحوص، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید وغیرہم نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے انہوں نے مرسلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور مرسل ہی درست ہے۔ رہا حضرت جابر کا قول کہ ”جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں الحمد نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی، مگر جب امام کے پیچھے ہو“ (2)۔ اس قول کو مالک نے وہب بن کیسان سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا: اس قول کو یحییٰ بن سلام صاحب تفسیر نے مالک سے انہوں نے ابونعیم وہب بن کیسان سے انہوں نے حضرت جابر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ صواب حضرت جابر پر موقوف ہے جیسا کہ مؤطا میں ہے۔ اس حدیث میں فقہی مسئلہ یہی مستنبط ہوتا ہے کہ وہ رکعت باطل ہے جس میں الحمد نہ پڑھی گئی۔ یہ دلیل ہے اس مذہب کی جس کی طرف ابن قاسم گئے ہیں اور انہوں نے مالک سے اس رکعت کے لغو ہونے اور دوسری رکعت پر بنا کرنے کو روایت کیا ہے۔ نمازی اس رکعت کو شمار نہیں کرے گا جس میں اس نے الحمد نہ پڑھی ہوگی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کی قراءت اس کے مقتدیوں کی قراءت ہے (۱)۔ یہ حضرت جابر کا مذہب تھا اور دوسرے لوگوں نے ان کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 11: ابن عربی نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: لا صلاۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (3) (اس کی نماز نہیں جس نے الحمد نہیں پڑھی) اس کی اصل کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ کیا یہ کمال اور تمام کی نفی پر محمول ہے یا جواز کی نفی پر محمول ہے۔ ناظر کے حال کے اختلاف کی وجہ سے فتویٰ بھی مختلف ہے۔ اس اصل میں مشہور اور اقوی یہ ہے کہ نفی عموم پر ہے اور مالک کی روایت سے اقویٰ یہ ہے کہ جس نے اپنی نماز میں الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز باطل ہے پھر ہم نے ہر رکعت میں الحمد کے تکرار میں غور کیا۔ پس جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: افعل ذالک فی صلاتک کلہا (4) (اپنی نماز میں ایسا کر) کی یہی تاویل کی اسے ہر رکعت میں الحمد کا لوٹانا لازم ہے جیسا کہ رکوع و سجود کو لوٹاتا ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 12: اس باب میں سورۃ فاتحہ کی تعیین میں جو معانی اور احادیث ذکر کی ہیں یہ سب کوفہ کے علماء نے اس

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 61، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلوۃ، باب اذا قراء الامام فانصتوا، حدیث 839، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی ام القرآن، صفحہ 66، جلد 1 (وزارت تعلیم)

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب وجوب قراۃ الفاتحہ، صفحہ 169، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)　4۔ ایضاً، صفحہ 170، جلد 1

(۱) قراءت خلف الامام کے حوالے سے شرح معانی الآثار کتاب الصلاۃ باب قراءۃ خلف الامام میں اور علامہ عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں تفصیلی بحث موجود ہے۔

قول کا رد کرتی ہیں جو کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ متعین نہیں ہے اور سورۃ فاتحہ اور قرآن کی دوسری آیات برابر نہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد سے اسے متعین فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقیموا الصلوۃ کی مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرنے والے ہیں۔ ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے، فرمایا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو مزید قراءت میسر ہو وہ پڑھیں (1)۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو جو فرمایا تھا کہ جو تیرے پاس قرآن ہے وہ پڑھ اور جو سورۃ فاتحہ سے زائد ہے وہ پڑھ (2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل: 20) کی تفسیر ہے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو۔

مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی (3) ایک روایت میں ''اور کچھ زائد'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں ہے (4) یعنی ادلہ مذکورہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ الخداج کا لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے اس کا معنی نقص اور فساد ہے۔ اخفش نے کہا: خدجت الناقۃ اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی ناقص بچہ جنم دے اور اخدجت اس وقت کہا جاتا ہے جب وقت سے پہلے بچہ پھینک دے اگرچہ اس کی تخلیق مکمل ہو۔

نظر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کمی کے ہوتے ہوئے نماز جائز نہ ہو کیونکہ یہ ایک ایسی نماز ہے جو مکمل نہیں ہوئی اور جو اپنی نماز سے خارج ہو جبکہ اس کی نماز مکمل نہ ہوئی ہو تو اس پر اعادہ واجب ہے جیسا کہ حکم دیا گیا ہے اور جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کمی کے باوجود نماز جائز ہے حالانکہ وہ کمی کا اقرار بھی کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے اور اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو لازم ہو۔

مسئلہ نمبر 13: امام مالک سے مروی ہے کہ کسی نماز میں قراءت واجب نہیں ہے اور اسی طرح امام شافعی عراق میں اس شخص کے بارے فرماتے تھے جو قراءت بھول جائے پھر مصر میں اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا: اس شخص کی نماز جائز نہیں، جو سورۃ فاتحہ اچھی طرح پڑھ سکتا ہے مگر سورہ فاتحہ کے ساتھ۔ اور سورۃ فاتحہ میں سے ایک حرف بھی کم ہوا تو نماز جائز نہ ہو گی۔ پس اگر سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھا یا اس سے کوئی حرف کم کر دیا تو وہ نماز کا اعادہ کرے اگرچہ دوسری کوئی سورت تلاوت بھی کی ہو۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے۔ اور رہا وہ مسئلہ جو حضرت عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ ان کے سامنے قراءت نہ کرنے کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے پوچھا رکوع و سجود کیسا تھا؟ لوگوں نے کہا: وہ تو بہت اچھا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: پھر کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث منکر اللفظ ہے اور منقطع الاسناد ہے کیونکہ اسے ابراہیم بن حارث تیمی نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور کبھی ابراہیم اسے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عمر کے سلسلہ سے روایت کرتے تھے اور دونوں سندیں منقطع ہیں اس میں حجت نہیں ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں اسے ذکر کیا ہے اور یہ بعض رواۃ نے بیان

1۔ سنن ابی داود، صفحہ 118، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، باب من ترک القرائۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، حدیث 695، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب وجوب قراۃ الفاتحۃ، صفحہ 170، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ) 3۔ ایضاً، صفحہ 169، جلد 1 4۔ ایضاً

کی ہے جبکہ یحییٰ اور ان کے ساتھ والے طائفہ نے اسے بیان نہیں کیا کیونکہ امام مالک نے اپنی کتاب میں اسے آخر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: اس حدیث پر عمل نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ نماز جس میں الحمد نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہے(1) حضرت عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس نماز کا اعادہ کیا تھا اور یہ ان سے صحیح ثابت ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری نے فرمایا: ابومعاویہ نے ہمیں بتایا انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے ہمام بن حارث سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر مغرب کی نماز میں قراءت بھول گئے تو آپ نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی۔ ابن عبدالبر نے کہا: یہ حدیث متصل ہے۔ ہمام نے حضرت عمر سے اس کو بیان کیا اور اس کو انہوں نے کئی طرق سے روایت کیا۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے، فرمایا: امام مالک سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جو قراءت بھول گیا تھا۔ کیا تجھے تعجب میں ڈالتا ہے جو حضرت عمر نے کہا تھا؟ انہوں نے فرمایا: میں انکار کرتا ہوں کہ حضرت عمر نے ایسا کیا تھ اور میں اس روایت کا انکار کرتا ہوں۔ امام مالک نے فرمایا: لوگ حضرت عمر کو مغرب کی نماز میں ایسا کرتے دیکھتے تھے اور وہ سبحان اللہ نہیں کہتے تھے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو ایسا کرے (یعنی قراءت نہ کرے) تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔

مسئلہ نمبر 14: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قراءت کے بغیر نماز نہیں ہوتی جیسا کہ علماء کے اصول سے گزر چکا ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی قرأت متعین نہیں ہے مگر وہ مستحب قرار دیتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک سورت پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل اکثر ثابت ہے۔ امام مالک نے فرمایا: قراءت میں سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں الحمد اور کوئی سورت پڑھے اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: ام القرآن (الحمد) پڑھے اگر الحمد نہ پڑھی اور کوئی دوسری سورت پڑھ دی تو بھی اس کی نماز جائز ہو جائے گی اور فرمایا: اگر تین رکعتوں میں قراءت بھول جائے تو نماز کو دوبارہ پڑھے۔ ثوری نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے اور آخری دو رکعتوں میں چاہے تو تسبیح کرے اور اگر چاہے تو قراءت کرے، اور اگر قراءت نہ کرے اور تسبیح بھی نہ کرے تب بھی نماز جائز ہو گی۔ یہ قول امام ابوحنیفہ اور دوسرے تمام کوفیوں کا ہے۔ ابن منذر نے فرمایا: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: پہلی دو رکعتوں میں قراءت کر اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھ۔ امام نخعی کا بھی یہی قول ہے۔

سفیان نے کہا: اگر تین رکعتوں میں قراءت نہ کی تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ ایک رکعت کی قراءت جائز نہیں۔ فرمایا: اسی طرح اگر فجر کی نماز میں ایک رکعت میں قراءت بھول جائے (تو بھی نماز کا اعادہ کرے)۔ ابوثور نے کہا: نماز جائز نہیں مگر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ جیسا کہ امام شافعی کا مصری قول ہے اسی پر شوافع کا اجماع ہے۔ اسی طرح ابن خویز منداد مالکی کا قول ہے۔ فرمایا: ہمارے نزدیک ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور یہی اس مسئلہ میں صحیح ہے۔

مسلم نے حضرت ابوقتادہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے اور ظہر اور عصر کی نمازوں

1۔ صحیح مسلم، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ وانہ اذا لم یحسن الفاتحۃ ولا مکنہ تعلمھا قرأ ما تیسر لہ غیرھا، صفحہ 170، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ کبھی ہمیں کوئی آیت کریمہ سناتے تھے، ظہر کی پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے اور دوسری کو چھوٹا کرتے تھے اور اسی طرح صبح کی نماز میں کرتے تھے (1)۔ ایک روایت میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے (2) یہ صریح نص ہے اور حدیث صحیح ہے۔ یہی امام مالک کا مسلک ہے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے تعین میں یہ نص ہے بخلاف ان علماء کے جنہوں نے اس کا انکار کیا۔ حجت، سنت میں ہوتی ہے نہ کہ اس قول میں جو سنت کے خلاف ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15: جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت واجب نہیں ہے کیونکہ مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ہر نماز میں قراءت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہم سے جہری قراءت کی ہم نے تم سے جہری قراءت کی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مخفی (قراءت) کی ہم نے بھی تم سے مخفی کی۔ پس جس نے سورۂ فاتحہ پڑھ لی اس کی طرف سے قراءت جائز ہوگئی اور جس نے سورۂ فاتحہ سے زائد پڑھا وہ افضل ہے (3)۔ بخاری میں ہے: اگر تم اس سے زائد پڑھو تو بہتر ہے (4)۔ اکثر اہل علم نے ضرورت یا غیر ضرورت کے لئے سورت کو ترک کرنے سے انکار کیا ہے۔ ان میں سے حضرات عمران بن حصین، ابوسعید خدری، خوات بن جبیر، مجاہد، ابووائل، ابن عمر، ابن عباس وغیرہم ہیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں: اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ اور قرآن میں سے مزید کچھ نہ پڑھے۔ پھر ان علماء میں سے بعض نے دو آیات کی حد متعین کی، بعض نے ایک آیت کی حد متعین کی، بعض نے کوئی حد متعین نہیں کی اور فرمایا: قرآن میں سے کچھ پڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (مزمل: 20) پس سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہر حال میں جو اسے میسر ہو وہ پڑھے کیونکہ حضرات عبادہ، ابوسعید خدری وغیرہما کی حدیث میں یہی حکم ہے۔ مدونہ میں ہے: وکیع نے اعمش سے انہوں نے خیثمہ سے روایت کیا، فرمایا: مجھے اس نے بتایا جس نے حضرت عمر بن خطاب کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھے۔ سورت کی قراءت کے بارے میں تین اقوال ہیں: سنت ہے، فضیلت ہے، واجب ہے۔

مسئلہ نمبر 16: جو شخص بسیار کوشش کے باوجود سورۂ فاتحہ یا قرآن میں سے اور کچھ نہ سیکھ سکے تو اسے لازم ہے کہ وہ قراءت کی جگہ ممکن حد تک تکبیر یا تہلیل یا تحمید یا تسبیح یا تمجید یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔ جب وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو جبکہ سری قراءت والی نماز ہو۔

ابوداؤد وغیرہ نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: میں قرآن یاد نہیں کرسکتا مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں جو قراءت کی کفایت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کہہ: سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ تو اللہ کے لئے ہے، میرے لئے کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراۃ فی الظہر والعصر، صفحہ 185، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ) 2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب قرأۃ الفاتحہ، صفحہ 170، جلد 1

4۔ صحیح بخاری، صفحہ 106، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی الفجر، حدیث 730، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے؟ فرمایا: تو اس طرح کہہ: اے اللہ! تو مجھ پر رحم کر، مجھے عافیت دے، مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما (1)۔

مسئلہ نمبر 17: اگر کوئی شخص ان الفاظ کے یاد کرنے سے بھی عاجز ہو تو وہ امام کے ساتھ نماز کو نہ چھوڑے۔ امام اس کی طرف سے ان شاء اللہ یہ ادا کرنے والا ہوگا۔ اس شخص پر لازم ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ اور کچھ مزید قرآن سیکھنے کی کوشش ہمیشہ کرتا رہے حتی کہ اس پر موت آجائے، تو بھی وہ کوشش میں لگا ہوا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمالے گا۔

مسئلہ نمبر 18: جو عجمی لوگوں میں سے عربی نہ بول سکتا ہو اور اس کے لئے عربی دعا کا اس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہو جس کو وہ سمجھتا ہو تا کہ وہ اپنی نماز قائم کرے تو ان شاء اللہ یہ بھی اس کے لئے جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 19: جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ جو عربی اچھی طرح جانتا ہو وہ اگر فارسی میں قراءت کرے گا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: فارسی میں قراءت جائز ہے اگرچہ عربی اچھی طرح جانتا بھی ہو کیونکہ مقصود معنی کو پانا ہے۔ ابن منذر نے کہا: یہ جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور اس کے بھی خلاف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا اور مسلمانوں کی جماعت کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی کسی عالم نے موافقت کی ہے۔ (۱)

مسئلہ نمبر 20: جس نے نماز کو شروع کیا جس طرح کہ حکم دیا گیا تھا جبکہ وہ قراءت نہ جانتا تھا پھر نماز کے دوران ہی اسے قرأت کا علم حاصل ہو۔ اور یہ متصور ہے اس طرح کہ کوئی شخص تلاوت سنے اور سننے کے ساتھ ہی وہ اس کے حافظہ میں معلق ہو جائے تو ایسا شخص نماز کو نئے سرے سے شروع نہ کرے کیونکہ اس نے جو پیچھے ادا کیا وہ حکم الٰہی کے مطابق تھا۔ پس اس کے سابقہ عمل کو باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ ابن سحنون نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

تیسرا باب

آمین کہنے کے متعلق ہے

اس میں آٹھ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1: قرآن پڑھنے والے کے لئے سنت ہے کہ سورۂ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے نون پر سکتہ کے بعد آمین کہے تا کہ قرآن، غیر قرآن سے ممتاز ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 2: حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے کتب حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافقت کر جائے گا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے'' (2)۔

1۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 121، جلد 1 (وزارت)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب مایجزئ الامی والاعجمی من القراۃ، حدیث 708، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح بخاری، صفحہ 108، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب جہر الامام بالتامین، حدیث نمبر 738، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
(۱) احناف کی کتب میں موجود ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا ''ہدایہ'' ان کا پہلا عذر حکمی کی وجہ سے تھا۔

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا: گناہ کی مغفرت کی ترتیب چار مقدمات پر ہے جن کو یہ حدیث متضمن ہے: (1) امام کا آمین کہنا۔ (۲) مقتدیوں کا آمین کہنا۔ (۳) فرشتوں کا آمین کہنا۔ (۴) آمین کہنے میں موافقت۔ بعض علماء نے فرمایا: اجابت میں موافقت، بعض نے فرمایا: زمانہ میں موافقت، بعض نے فرمایا: دعا کے اخلاص کی صفت میں موافقت مراد ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو دراں حالیکہ تمہیں اس کی قبولیت کا یقین ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور اخلاص سے خالی دل کی دعا قبول نہیں فرماتا''(1)۔

مسئلہ نمبر 3: ابوداؤد نے ابو مصبح مقرائی سے روایت کیا ہے، فرمایا: ہم ابوزہیر منیری کے پاس بیٹھتے تھے اور وہ صحابہ میں سے تھے، وہ بڑے اچھے انداز میں حدیث بیان کرتے تھے۔ جب ہم میں سے کوئی دعا مانگتا تو کہتے: اس پر آمین سے مہر لگاؤ کیونکہ آمین صحیفہ پر مہر کی طرح ہے۔ ابوزہیر نے کہا: میں تمہیں اس کے متعلق نہ بتاؤں۔ ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ ہم ایک شخص کے پاس آئے جو دعا کرنے میں اصرار کر رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ اسے سنتے ہوئے ٹھہر گئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے مہر لگادی تو یہ واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے کہا: کس چیز کے ساتھ مہر لگائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آمین کے ساتھ کیونکہ اگر آمین کے ساتھ مہر لگا دے گا تو واجب کر دے گا۔ وہ شخص جس نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا وہ واپس آیا اور اس شخص کے پاس پہنچا اور اسے کہا: اے فلاں! مہر لگا اور خوش ہو(2)۔

ابن عبدالبر نے کہا: ابوزہیر منیری کا نام یحییٰ بن نفیر تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، مکڑی کو قتل نہ کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: آمین کے چار حرف ہیں اللہ تعالیٰ ہر حرف سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو دعا کرتا رہتا ہے۔ اے اللہ! ہر اس شخص کو بخش دے جس نے آمین کہا اور خبر میں ہے سورۂ فاتحہ سے میرے فارغ ہونے کے بعد مجھے جبریل نے آمین کی تلقین کی اور کہا: یہ خط پر مہر کی طرح ہے ایک اور حدیث میں ہے آمین رب العالمین کی مہر ہے۔ ہروی نے کہا: ابوبکر نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہر لگائی کیونکہ وہ آمین کے ساتھ بندوں سے آفات و بلیات دور فرماتا ہے۔ پس گویا یہ خط کی مہر کی مانند ہے جو خط کو محفوظ رکھتی ہے اور اس میں خرابی کرنے اور اس کے اندر جو کچھ ہے اسے ظاہر کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے آمین جنت میں ایک درجہ ہے۔ ابوبکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کا کہنے والا اس کے ذریعے جنت میں ایک درجہ حاصل کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4: اکثر اہل علم کے نزدیک آمین کا معنی ہے: اللھم استجب لنا (اے اللہ ہماری دعا قبول فرما) یہ دعا کی جگہ رکھا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ یہ جعفر بن محمد، مجاہد، ہلال بن یساف سے مروی ہے اور یہ بات حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے جبکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: آمین کا معنی ہے اسی طرح ہونا چاہئے۔ یہ جوہری کا قول ہے۔ کلبی نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابن

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی جامع الدعوات، صفحہ 186، جلد 2 (وزارت تعلیم)

2۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 135، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ کتاب الصلوٰۃ، باب التامین وراء الامام، حدیث نمبر 803، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عباس سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آمین کا معنی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کا معنی ہے) اے میرے رب! تو (ایسا) کر۔ مقاتل نے کہا: یہ کلمہ دعا کے لئے قوت ہے اور برکت طلب کرنے کے لئے ہے۔ ترمذی نے کہا: اس کا معنی ہے ہماری امیدوں کو نامراد نہ کر۔

مسئلہ نمبر 5: آمین میں دو لغتیں ہیں: (۱) مد، بروزن فاعیل جیسے یاسین (۲) بغیر مد کے یمین کے وزن پر۔

شاعر نے مد میں کہا ہے۔

یا رب لا تسلبنی حبھا ابداً و یرحم اللہ عبداً قال آمینا

اے رب! مجھ سے اس کی محبت کبھی نہ نکال اور اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

آمین آمین لا ارضی بواحدۃ حتی ابلغھا الفین آمینا

آمین آمین، میں ایک مرتبہ کہنے پر راضی نہ ہوں گا حتیٰ کہ میں اسے دو ہزار آمین تک پہنچاؤں گا۔

ایک اور شاعر نے بغیر مد کے کہا ہے:

تباعد منی فُطْحُلٌ اذ سالتُہٗ امین فزاد اللہ ما بیننا بعداً

اس شعر میں امین بغیر مد کے استعمال ہوا ہے۔

آمین کو میم کی شد کے ساتھ پڑھنا غلطی ہے یہ جوہری کا قول ہے۔ حسن اور حضرت امام جعفر صادق سے شد کے ساتھ مروی ہے حسین بن فضل کا بھی یہی قول ہے اور یہ امّ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قصد کرنا یعنی ہم تیری طرف قصد کرنے والے ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ (المائدہ:2) یہ قول ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم قشیری نے حکایت کیا ہے۔ جوہری نے کہا: یہ این اور کیف کی مثل مبنی برفتحہ ہے کیونکہ اجتماع ساکنین ہے۔ اسی سے تو کہتا ہے: اَمَّنَ فلان تامینا۔

مسئلہ نمبر 6: علماء کا اختلاف ہے کیا امام آمین کہے اور کیا وہ اسے بلند آواز سے کہے۔ امام شافعی اور مالک اور ایک روایت میں مدنی علماء اسی مسلک کی طرف گئے ہیں۔ کوفہ کے علماء اور بعض مدنی علماء نے کہا: وہ بلند آواز سے آمین نہ کہے۔ یہی طبری کا قول ہے۔ ہمارے مالکی علماء میں سے ابن حبیب نے یہی کہا ہے۔ ابن بکیر نے کہا: اسے اختیار ہے (1)۔ ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا ہے کہ امام آمین نہ کہے بلکہ مقتدی آمین کہیں۔ یہ ابن قاسم اور اصحاب مالک میں سے مصری علماء کا قول ہے اور ان کی حجت حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہمارے لئے ہمارا طریقہ بیان فرمایا اور ہمیں اپنی نماز سکھائی اور فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو سیدھا کرو پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائے گا (2) حدیث ذکر فرمائی۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے اسی کی مثل سمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 79، جلد 1 (دارالکتب العلمیہ)

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد، صفحہ 174، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

اسے مالک نے نقل فرمایا۔ پہلا قول صحیح ہے اس کی دلیل حضرت وائل بن حجر کی حدیث ہے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتے تو آمین کہتے اور اس کے ساتھ آواز کو بلند کرتے (1)۔ ابوداؤد اور دارقطنی نے یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ زائد ذکر کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا: یہ سنت ہے جس کے ساتھ اہل کوفہ منفرد ہیں یہ صحیح ہے اور جو اس کے بعد ہے۔

امام بخاری نے ایک عنوان باندھا ہے: جهر الامام بالتامين۔ (2)

عطاء نے کہا: آمین دعا ہے۔ ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہا حتیٰ کہ مسجد میں گونج پیدا ہوئی۔ امام ترمذی نے کہا: نبی کریم ﷺ کے صحابہ اور تابعین علماء میں سے اکثر علماء فرماتے ہیں کہ نمازی اپنی آواز آمین کے ساتھ بلند کرے اور آہستہ نہ کہے (3)۔ یہی قول امام شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ مؤطا اور بخاری و مسلم میں ہے، ابن شہاب نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: آمین (4)۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، فرمایا: لوگوں نے آمین کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کہتے تھے تو آمین کہتے تھے حتیٰ کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے اور مسجد اس کے ساتھ گونج جاتی تھی (5)۔ رہی ابوموسیٰ اور سمی کی حدیث تو ان دونوں کا معنی اس مقام کی وضاحت ہے جہاں آمین کہا جاتا ہے اور وہ وہ مقام ہے جب امام وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کہتا ہے تاکہ ان دونوں کا قول اکٹھا ہو جائے اور مقتدی آمین کے قول کے ساتھ امام سے آگے نہ بڑھ جائیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو (6)۔ ابن نافع نے اپنی کتاب ''ابن الحارث'' میں فرمایا: مقتدی آمین نہ کہے حتیٰ کہ امام کو وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کہتے ہوئے سن لے اور جب امام سے اتنا دور ہو کہ اس کی آواز نہ سن سکے تو آمین نہ کہے۔ ابن عبدوس نے کہا: وہ قراءت کا اندازہ کر کے آمین کہے (7)۔

مسئلہ نمبر 7: امام ابوحنیفہ کے ساتھیوں نے کہا: آہستہ آمین کہنا، بلند آواز سے آمین کہنے کی نسبت زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (اعراف: 55) (دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ)۔ مزید کہتے ہیں: آہستہ آمین کہنے پر دلیل وہ تاویل ہے جو اس آیت قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (یونس: 89) کے بارے میں مروی ہے۔ فرمایا: موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے آمین کہنے والا فرمایا۔

1۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 135-134، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب التامین وراء الامام، حدیث 797، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح بخاری، صفحہ 107، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔
3۔ سنن ترمذی، صفحہ 34، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی التامین
4۔ مؤطا امام مالک، صفحہ 69، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی التامین خلف الامام
5۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 62، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب الجهر بآمین، حدیث نمبر 842، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
6۔ صحیح بخاری، صفحہ 108، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب جهر الامام بالتامین، حدیث نمبر 738، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
7۔ المحرر الوجیز، صفحہ 80، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کا اخفاء افضل ہے کیونکہ اس میں ریا داخل ہو جاتا ہے لیکن وہ امر جو جماعت کی نماز کے ساتھ متعلق ہے، اس میں حاضری، ایک شعار کا اظہار ہے اور حق کا اظہار بندوں کو اس کے اظہار کی دعوت دیتا ہے۔ امام سورۂ فاتحہ کی قراءت بلند آواز سے کرتا ہے جو دعا اور آمین کہنے پر مشتمل ہے۔ جب دعا ایسی چیز ہے جس میں جہر سنت ہے تو آمین کہنا تو دعا کے لئے مہر ہے اور اس کے قائم مقام ہے اور یہ واضح امر ہے۔

مسئلہ نمبر 8: آمین کا کلمہ ہم سے پہلے صرف موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے لئے تھا۔ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں عبدالوارث بن عبدالصمد نے بتایا انہوں نے کہا: مجھے میرے باپ نے بتایا، انہوں نے کہا: ہمیں رزین نے بتایا جو ہشام بن حسان کی مسجد کے مؤذن تھے۔ انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک نے بتایا، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تین ایسی چیزیں عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ وہ یہ ہیں: اہل جنت کا سلام، فرشتوں کی صفیں اور آمین مگر موسیٰ اور ہارون کو آمین کا کلمہ دیا گیا تھا۔ ابو عبداللہ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خلاف دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا قرآن میں اس طرح ذکر کیا قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (یونس: 89) ہارون علیہ السلام کے کلام کو ذکر نہیں فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبَّنَا (اے ہمارے رب!) اور ہارون علیہ السلام نے کہا: آمین۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں کو دعا کرنے والا کہا کیونکہ ان کی طرف سے یہ دعا ہو گئی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: آمین اس امت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا: یہود تم پر اتنا حسد کسی چیز پر نہیں کرتے جتنا کہ وہ سلام اور آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں (1)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے حماد بن سلمہ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن عائشہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکمل حدیث ذکر کی۔ حضرت ابن عباس کی حدیث سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا، فرمایا: یہود تم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ آمین پر تم سے حسد کرتے ہیں، پس آمین کا قول زیادہ کہا کرو (2)۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں: اہل کتاب نے ہم سے حسد کیا کیونکہ اس کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے پھر اس کی بارگاہ میں عجز و نیاز ہے پھر ہمارے لئے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا ہے پھر ہمارے قول آمین کے ساتھ ان کے لئے بددعا ہے۔

چوتھا باب

اس میں سورۂ فاتحہ کے معانی، قراءت، اعراب اور حمد کرنیوالوں کی فضیلت ہے

اس باب میں چھتیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں)۔ ابو محمد عبدالغنی بن سعید الحافظ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا باب الجہر بآمین، صفحہ 62، جلد 1 (وزارت تعلیم)　2۔ ایضاً، صفحہ 61، جلد 1

بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے سچ کہا، بے شک حمد میرے لئے ہے(1)۔ مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو لقمہ کھائے تو اس پر اللہ کی حمد کرے، کوئی مشروب پیئے تو اس پر اس کی حمد کرے(2)۔ حضرت حسن نے فرمایا: کوئی نعمت نہیں ہے مگر اس پر اللہ کی حمد ہو تو وہ اس نعمت سے افضل ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کوئی نعمت فرمائی پھر اس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس موجود نعمت سے افضل نعمت اسے عطا فرمائی(3)۔ ''نوادر الاصول'' میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ دنیا تمام کی تمام میرے امتی کے ایک ہاتھ میں ہو پھر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ان تمام نعمتوں سے افضل ہوگی۔ ابو عبداللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے دنیا عطا فرمائی پھر اس کے بعد یہ حمد کا کلمہ عطا فرمایا حتیٰ کہ اس نے یہ کلمہ بولا تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل تھا کیونکہ دنیا فانی ہے اور یہ کلمہ باقی ہے، یہ باقیات صالحات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ (الکہف) بعض روایات میں ہے جو اس نے دیا وہ اس سے زیادہ ہے جو اس نے لیا۔ پس یہ کلمہ بندے کی طرف سے ہے اور دنیا وہ اللہ تعالیٰ سے لینے والا ہے، پس یہ تدبیر میں ہے۔ اسی طرح کلام میں جاری ہوگا کہ یہ کلمہ بندے کی طرف سے ہے اور دنیا اللہ کی طرف سے ہے اور اصل میں دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، دنیا بھی اس کی طرف سے ہے اور اَلْحَمْدُ کا کلمہ بھی اللہ کی طرف سے ہے، دنیا اس نے بندے کو عطا فرمائی اور اسے غنی کر دیا پھر اسے کلمہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) عطا فرمایا اور آخرت میں اس کے ساتھ اسے شرف عطا فرمائے گا۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بیان کیا کہ ایک بندے نے کہا: یا رب لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك۔ فرشتوں کے لئے اس کا لکھنا مشکل ہو گیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اسے کیسے لکھیں۔ پس وہ دونوں آسمان کی طرف بلند ہوئے اور عرض کی: یا رب! تیرے بندے نے ایسی کلام کی ہے ہم نہیں جانتے کہ اسے کیسے لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا، حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہے جو اس کے بندے نے کہا تھا۔ میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتوں نے کہا: یا رب! اس نے کہا: یا رب لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اسی طرح لکھ دو جس طرح میرے بندے نے کہا حتیٰ کہ وہ مجھ سے آکر ملے گا تو میں خود اسے اس کی جزا دوں گا(4)۔

اہل لغت نے کہا: اعضل الامر، جب معاملہ سخت ہو جائے اور بند ہو جائے۔ المعضلات سختیوں کو کہتے ہیں۔ عضلت المرأة والشاة کہا جاتا ہے جب بچہ جنم دے اور اس کا مخرج تنگ ہو یہ ضاد کی شد کے ساتھ ہے۔ اسی بنا پر فرمایا: اعضلت الملكين یا عضلت الملكين، یعنی اس امر نے فرشتوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ واللہ اعلم

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل لا الہ الا اللہ، صفحہ 277، جلد 1 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل والشرب، صفحہ 352، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ)
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الحامدین، صفحہ 278، جلد 1 (وزارت تعلیم) 4۔ ایضاً

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طہارت ایمان کا نصف ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اسے بھر دیتے ہیں (1)۔ آگے حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر 2: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ بندے کا قول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ افضل ہے یا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ افضل ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ افضل ہے کیونکہ اس کے ضمن میں توحید لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی موجود ہے اور بندے کے اس قول میں توحید اور حمد ہے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں صرف توحید ہے۔ اس کی بنیاد پر مخلوق سے جنگ کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال (جنگ) کروں حتیٰ کہ وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں (2)۔ اس قول کو ابن عطیہ نے اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اس پر قول فیصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: افضل ذکر وہ ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ (3)

مسئلہ نمبر 3: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری نعمتوں پر محمود ہے اور اس کے انعاموں میں سے ایک ایمان بھی ہے میں یہ دلیل ہے کہ ایمان اس کا فعل اور اس کی تخلیق ہے اس پر دلیل رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کا ارشاد ہے۔ العالمون تمام مخلوق کو کہتے ہیں اور اس مخلوق میں سے ایمان بھی ہے۔ اس طرح نہیں ہے جس طرح قدریہ کہتے ہیں کہ ایمان ان کی تخلیق ہے جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی۔

مسئلہ نمبر 4: عرب کلام میں اَلْحَمْدُ کا معنی ثنا کامل ہے۔ الف اور لام محامد کی جنس کے استغراق کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی ہر حمد کا مستحق ہے کیونکہ اس کے اسماء خوبصورت ہیں اور صفات بلند ہیں۔ شاعر کے قول میں اَلْحَمْدُ کے لفظ کی جمع، جمع قلت کے وزن پر بنائی گئی ہے۔

و ابلج محمود الثناء خصصتهٗ　بأفضل اقوالی و أفضل احمدی

اس کی محمود تعریف روشن ہے۔ میں نے اسے اپنے افضل اقوال اور افضل حمد کے ساتھ خاص کیا ہے۔

حمد، مذمت کی نقیض ہے۔ تو کہتا ہے: حمدت الرجل احمدہ حمداً فھو حمیدٌ و محمودٌ۔ التحمید، حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد، شکر سے اعم ہے۔ المحمد اس ذات کو کہتے ہیں جس کے خصائل حمیدہ کثیر ہوں۔

شاعر نے کہا:

الی الماجد القرم الجواد المحمد

اس مصرعہ میں شاعر نے المحمد اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء، صفحہ 118، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا و اقاموا الصلاۃ والزکوٰۃ، صفحہ 8، جلد 1 (وزارت تعلیم)

3۔ موطا امام مالک، کتاب القرآن باب ماجاء فی الدعاء، صفحہ 198، جلد 1 (وزارت تعلیم)

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

شاعر نے کہا:

فشق له من اسمه ليجله　　فذو العرش محمود و هذا محمد

اس نے اپنے نام سے اس کا نام مشتق کیا تا کہ اسے عظمت دے، وہ صاحب عرش محمود ہے یہ محمد ہے۔

المحمدۃ، یہ المذمۃ کے خلاف ہے۔ احمد الرجل، اس کا مطلب ہے اس کا امر حمد کا باعث ہوا۔ احمدتہ کا مطلب ہے: میں نے اسے محمود پایا۔ تو کہتا ہے: میں فلاں جگہ آیا اور میں نے اسے محمود اور موافق پایا۔ یہ اس وقت کہے گا جب تو اس میں رہائش یا اس کی چراگاہ پر راضی ہو۔ رجل حُمَدَۃ، ہمزہ کی مثل اس شخص کو کہتے ہیں جو اشیاء کی حمد زیادہ کرتا ہو اور ان چیزوں کی صفات بیان کرنے میں مبالغہ کرتا ہو۔ حمدۃ النار۔ آگ کے بھڑکنے کی آواز کو کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 5: ابو جعفر طبری اور ابو العباس مبرد کا خیال ہے کہ حمد اور شکر ایک معنی میں ہے اور یہ پسندیدہ نہیں ہے (1)۔ ابو عبد الرحمٰن سلمی نے اپنی کتاب ''الحقائق'' میں امام جعفر صادق اور ابن عطا سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن عطا نے کہا: اس کا معنی اللہ کا شکر ہے کیونکہ اس کی ہمیں تعلیم بھی اس کا احسان ہے حتیٰ کہ ہم نے اس کی تعریف کی۔ طبری نے ان کے ہم معنی ہونے پر تیرے اس قول کی صحت سے استدلال کیا ہے الحمد للہ شکراً۔ (2) ابن عطیہ نے کہا کہ یہ حقیقت میں دلیل ہے ان کے مسلک کے خلاف پر کیونکہ تیرے قول شکراً، تو اس کو حمد کے ساتھ خاص کیا کیونکہ یہ بھی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: شکر، حمد سے زیادہ عام ہے کیونکہ شکر، زبان، جوارح اور دل سے ہوتا ہے اور حمد صرف زبان سے ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا: حمد اعم ہے کیونکہ اس میں شکر اور مدح کا معنی ہے اور یہ شکر سے اعم ہے کیونکہ حمد شکر کی جگہ رکھی جاتی ہے اور شکر کو حمد کی جگہ نہیں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے، فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہر شکر گزار کا کلمہ ہے۔ آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو فرمایا: فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (المومنون) (تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے) اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (ابراہیم: 39)

داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے کہا: وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النمل) (اور انہوں نے کہا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر) اور نبی کریم ﷺ کو فرمایا: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (الاسراء: 111) (اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا)۔

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 66، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

اہل جنت نے کہا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ (فاطر: 34) (کہیں گے سب ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (واندوہ)) وَ اٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ (یونس: 10) (اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) میں کہتا ہوں: حمد، ممدوح کی اس کی صفات کی وجہ سے کسی سابقہ احسان کے بغیر تعریف کرنا ہے اور شکر، مشکور کی احسان کی وجہ سے تعریف کرنا ہے۔ اس تعریف کی بنا پر ہمارے علماء نے فرمایا: اَلۡحَمۡدُ شکر سے اعم ہے کیونکہ حمد ثنا، تحمید اور شکر پر واقع ہوتی ہے اور جزا مخصوص ہے کہ یہ اس کا بدل ہوتی ہے جو تیرے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ پس اَلۡحَمۡدُ اس آیت میں اعم ہے کیونکہ یہ شکر پر زائد ہے اور یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ حمد بمعنی رضا بھی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے: بلوتہ فحمدتہ یعنی میں خوش ہوا۔ اس سے یہ ارشاد بھی ہے: مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝ (الاسراء)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احمد الیکم غسل الاحلیل میں تمہارے لئے شرمگاہ کا دھونا پسند کرتا ہوں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کی تفسیر میں مروی ہے۔ جس نے اس کی صفات کی وجہ سے اس کی حمد کی جس طرح اس نے خود اپنی توصیف کی ہے اس نے حمد کی، کیونکہ حمد حا، میم اور دال سے مرکب ہے، حا، وحدانیت سے ہے، میم، الملک سے ہے اور دال دیمومیت (ہمیشگی) سے ہے جس نے وحدانیت، دیمومیت اور الملک کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کو پہچان لیا۔ یہی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کی حقیقت ہے۔ شقیق بن ابراہیم نے اَلۡحَمۡدُ کی تفسیر میں فرمایا: یہ تین وجوہ پر منحصر ہے: (۱) جب اللہ تعالیٰ تجھے کوئی چیز عطا فرمائے تو تو جان لے جس نے تجھے یہ چیز عطا کی۔ (۲) جو اس نے تجھے عطا فرمایا تو اس پر خوش ہو، (۳) جب تک تیرے جسم میں قوت ہے تو اس کی نافرمانی نہ کر۔ یہ حمد کی شرائط ہیں۔

مسئلہ نمبر 6: اللہ سبحانہ نے اپنی حمد خود فرمائی اور اپنی کتاب کا آغاز اپنی حمد سے کیا اور دوسروں کو اپنی خود تعریف کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی تعریف کرنے سے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی زبان کے ذریعے منع فرمایا۔ فرمایا: فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (النجم) (پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدح کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی ڈالو (1)۔ اس حدیث کو حضرت مقداد نے روایت کیا اس کے متعلق سورۃ النساء میں ان شاء اللہ وضاحت آئے گی۔

پس اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اپنی حمد کی ہے اس سے پہلے کہ عالمین میں سے کوئی میری حمد کرتا اور میں نے اپنی خود حمد ازل میں بغیر کسی علت کے کی تھی اور مخلوق جو میری حمد کرتی ہے وہ علل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: مخلوق جس کو کمال کلی عطا نہیں کیا گیا اس کا اپنی تعریف کرنا اچھا نہیں تا کہ وہ اپنے لئے منافع حاصل کرے اور اپنے آپ سے نقصان دور کرے۔

بعض علماء نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کے بندے اس کی حمد سے عاجز ہیں تو اس نے اپنی حمد ازل میں خود ہی کی۔ پس اس کے بندوں نے انتہائی کوشش کی اس کی حمد سے عاجزی کا اظہار ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ سید

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب عن المدح اذا کان فیہ افراط، صفحہ 414، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ)

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے عجز کا اظہار فرمایا۔ ارشاد فرمایا: لا أحصی ثناء علیک۔(1) (میں تیری ثناء نہیں کرسکتا)۔
اور یہ شعر پڑھو:

اذا نحن اثنینا علیک بصالح فانت کما نثنی وفوق الذی نثنی

اور جب ہم کسی کرم کی وجہ سے تیری ثنا کرتے ہیں تو تو واقعی اسی طرح ہے جس طرح ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تو اس سے بلند مرتبہ ہے جو ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: اس نے ازل میں اپنی حمد خود فرمائی جب اس نے اپنے بندوں پر نعمتوں کی کثرت کو دیکھا اور ان کے شکر کے قیام کے عجز کو دیکھا تو اس نے اپنی تعریف کی اور ان کی طرف سے اپنی تعریف خود کی تاکہ ان کے سامنے نعمت مزید خوشگوار ہو جائے اس حیثیت سے کہ اس نے لوگوں سے احسان کا بوجھ بھی ساقط کر دیا۔

مسئلہ نمبر 7: ساتوں قراء اور جمہور لوگوں کا الحمد کی دال پر رفع پڑھنے میں اجماع ہے۔ سفیان بن عیینہ، رؤبہ بن عجاج سے الحمد میں دال کا نصب مروی ہے اور یہ فعل کے اظہار کی تقدیر پر ہے (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رفع کے ساتھ مبتدا اور خبر میں اور خبر کی تبیل فائدہ دینا ہوتا ہے۔ اس میں کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ سیبویہ نے کہا: جب کوئی شخص اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رفع کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس میں اسی قسم کا معنی ہوتا ہے جو تیرے اس قول میں ہے: حمدت الله حمد آگر وہ جو اَلْحَمْدُ کو رفع دے رہا ہے وہ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس کی طرف سے حمد اور تمام مخلوق کی طرف سے حمد الله کے لئے ہے اور وہ جو اَلْحَمْدُ کو نصب دیتا ہے وہ خبر دیتا ہے کہ تنہا اس کی طرف سے حمد الله کے لئے ہے۔ سیبویہ کے علاوہ علماء نے فرمایا: وہ یہ کلام الله تعالیٰ کے عفو، مغفرت، اس کی تعظیم اور اس کی بزرگی بیان کرنے کے لئے کرتا ہے اور خبر کے معنی کے خلاف ہے، اس میں سوال کا معنی ہے۔ حدیث میں ہے ''جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا میں اس سے افضل دوں گا جو میں سوال کرنے والوں کو دوں گا'' (3)۔

بعض علماء نے فرمایا: الله تعالیٰ کا اپنی حمد و ثناء کرنا بندوں کو یہ سکھانے کے لئے ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ تم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو۔ طبری نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تعریف ہے اس کے ساتھ اس نے اپنی ہی تعریف کی اور اس کے ضمن میں اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ تم بھی اس کی تعریف کرو۔ گویا یوں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو۔ اسی طرح ہوگا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہو۔ عرب اس طرح حذف کرتے ہیں کہ ظاہر کلام اس حذف پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

و اعلم اننی ساکون رمسا اذا سار النواعج لایسیر
فقال السائلون لمن حفرتم فقال القائلون لهم وزیر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، صفحہ 192، جلد 1 (قدیمی کتب خانہ)
2۔ المحرر الوجیز، صفحہ 66، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)
3۔ سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء کیف کانت قراۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ 116، جلد 2 (وزارت تعلیم)

میں جانتا ہوں کہ ہو جاؤں گا جب تیز رفتار اونٹیاں نہیں چلیں گی۔ سوال کرنے والوں نے کہا کس کے لئے قبر کھود رہے ہو جواب دینے والوں نے کہا ان کا وزیر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے قبر کھودی جارہی ہے وہ وزیر ہے۔ پس اس کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ظاہر کلام اس پر دلالت کر رہا تھا اور یہ عرب کلام میں کثیر ہے (1) ابن ابی عبلہ سے الحمد للہ دال اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا مروی ہے اس بنا پر کہ دوسرا حرف اعراب میں پہلے حرف کے تابع کر دیا گیا ہو۔ یا کا لفظ متجانس ہو جائے اور لفظوں میں تجانس کا طلب کرنا عربوں کے کلام میں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً أجوءك، وهو منحدرٌ من الجبل (☆)۔ اس میں دال اور جیم کو ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ شاعر کا قول ہے: اضرب السآمين امك هابل۔ اس مصرعہ میں ہمزہ کے ضمہ کی وجہ سے نون ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اہل مکہ کی قراءت میں مُرُدفين راء پر ضمہ پڑھا گیا ہے میم کی اتباع کرتے ہوئے۔ اسی طرح مُقُتلين میں میم کی اتباع میں قاف پر ضمہ پڑھا گیا ہے۔ اس طرح عرب کہتے ہیں: لِإِمك یعنی لام کی اتباع میں ہمزہ کو کسرہ دیتے ہیں۔ نعمان بن بشیر کے لئے یہ کہا:

ویل امها فی هواءِ الجو طالبة　　　ولا کهذا الذی فی الارض مطلوب

اس شعر میں ہمزہ کو کسرہ دیا ہے۔

اصل میں ویل، لامها تھا پہلے لام کو حذف کیا گیا اب کسرہ کے بعد ہمزہ پر ضمہ بھاری تھا پھر اس ہمزہ کو لام کی طرف منتقل کر دیا پھر لام کو میم کی طرح حرکت دی گئی۔ حسن بن ابی الحسن اور زید بن علی سے مروی ہے، اَلْحَمْدِ لِلّٰهِ۔ یعنی دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے پہلے حرف کو حرکت میں دوسرے حرف کی اتباع کرائی گئی (2)۔

مسئلہ نمبر 8: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا مالک ہے، ہر چیز جس کا وہ مالک ہے وہ اس کا رب ہے۔ پس الرب کا مطلب المالك ہے اور ''الصحاح'' میں الرب، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اس لئے بغیر نسبت و اضافت کے کسی دوسرے کے لئے نہیں بولا جائے گا، لوگ زمانہ جاہلیت میں مالک کے لئے رب کا لفظ بولتے تھے۔ حارث بن حلوہ نے کہا:

و هو الرب والشهيد على يوم　　　الحيارين والبلاء بلاء

اس میں رب، مالک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

رب کا معنی سردار بھی ہوتا ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں استعمال ہوا ہے: اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف: 42) (یعنی اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا) اور حدیث میں ہے ان تلد الامة ربتها۔ (3) یعنی لونڈی اپنے سردار کو جنم دے گی۔ اور ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور الرب سے مراد مصلح، مدبر، جابر اور قائم

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 67-66، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 133، جلد 1

3۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب ام الولد، صفحہ 344، جلد 1 (وزارت تعلیم)　☆ مثال غیر واضح ہے۔

(نگران) بھی ہوتا ہے۔ الہروی وغیرہ نے کہا: جو شخص کسی شے کی اصلاح کرتا ہے اور اسے مکمل کرتا ہے اس کے لئے بولا جاتا ہے: ربّہٗ یربہ فھو ربٌ لہ و رابٌ۔ اسی وجہ سے علماء کو ربانیون کہا جاتا ہے جو کتب کے مطالعہ میں رہتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے ھل لک من نعمۃ تربھا علیہ (1) یعنی کیا تیرے پاس کوئی نعمت ہے جس کی تو دیکھ بھال کرتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے اور الرب بمعنی معبود بھی استعمال ہوتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

ارَبٌّ یبول الثعلبان براسہ لقد ذل من بالت علیہ الثعالب (2)

اور یہ لفظ زیادتی اور کثرت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ رباہ و ربّبہ و ربّتہ (یعنی اس سے اسے زیادہ کر دیا) یہ معنی نحاس نے بیان کیا ہے۔ "الصحاح" میں ہے: ربّ فلان ولدہ یربہ ربّاً، و ربّبہ و تربّبہٗ کا معنی ہے ربّاہ اور المربوب کا مطلب ہے المربی۔ جس میں کثرت کی گئی ہو۔

مسئلہ نمبر 9: بعض علماء نے فرمایا: یہ اسم (رب) اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے کیونکہ اسے پکارنے والے کثرت سے پکارتے ہیں اور قرآن حکیم میں غور کرنے سے بھی یہی پتہ چلتا ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران، سورۂ ابراہیم وغیرہ میں ہے۔ یہ وصف رب اور مربوب کے درمیان تعلق کا شعور دیتا ہے ساتھ ساتھ اپنے ضمن میں ہر حال میں مہربانی، رحمت اور مخلوق کے اس کی طرف محتاج ہونے کا تصور بھی رکھتا ہے۔

اس کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: یہ التربیۃ سے مشتق ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کا مدبر اور مربی ہے۔ اسی مفہوم میں ہے: وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ (النساء: 23) (تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں) بیوی کی بیٹی کو ربیبۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا خاوند اس کی تربیت کرتا ہے۔ پس اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مدبر اور مربی ہے تو یہ فعل کی صفت ہوگی اور اس بنا پر کہ الرب بمعنی مالک اور سردار ہے تو یہ ذات کی صفت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10: جب رب پر الف لام داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ خاص ہوتا ہے کیونکہ الف لام عہد کے لئے ہو گا۔ اور اگر ہم الف لام حذف کر دیں تو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ کہا جاتا ہے: اللہ رب العباد، (اللہ بندوں کا رب ہے) زید رب الدار (زید گھر کا مالک ہے) اللہ تعالیٰ رب الارباب ہے، وہ مالک و مملوک کا مالک ہے وہ ہر ایک کا خالق و رازق ہے۔ اس کے علاوہ ہر رب، غیر خالق اور غیر رازق ہے ہر مملوک، مالک بنایا گیا ہے اس کے بعد کہ وہ مالک نہ تھا اور اس سے ملکیت چھینی بھی جائے گی، مخلوق میں سے مالک کسی چیز کا مالک ہوتا ہے اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ان معانی کے مخالف ہے اور خالق و مخلوق کی صفت کے درمیان یہی فرق ہے۔

مسئلہ نمبر 11: الْعٰلَمِیْنَ، اہل تاویل کا الْعٰلَمِیْنَ کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: العالمون، جمع ہے عالم کی اور عالم سے مراد اللہ کے سوا ہر موجود ہے اور لفظاً اس کا واحد نہیں ہے جیسے رھط اور قوم کا لفظاً واحد نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ہر زمانہ کے لوگ عالم ہیں۔ یہ حسین بن فضل کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب فی الحب فی اللہ، صفحہ 317، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ) 2۔ المحرر الوجیز، صفحہ 67، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

الْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾ (الشعراء) اس آیت میں الْعٰلَمِیْنَ سے مراد لوگ ہیں۔ حجاج نے کہا:

فخندف هامة هذا العالم

جریر بن خطفی نے کہا:

تنصفه البرية و هو سام و يضحى العالمون له عيالا

اس شعر میں العالمون لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: عالمون سے مراد جن وانس ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿﴾ (الفرقان) (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کو ڈرانے والے تھے نہ کہ چوپاؤں کو)۔ فرا اور ابو عبیدہ نے کہا: العالم سے مراد ہر ذی عقل ہے اور یہ چار امم ہیں: انسان، جن، ملائکہ اور شیاطین۔ بہائم، چوپاؤں کو عالم میں نہیں کہا جاتا کیونکہ یہ جمع ذی عقل کی جمع ہوتی ہے۔

اعشیٰ نے کہا:

ما ان سمعت بمثلهم فی العالمينا میں نے ذی عقل لوگوں میں ان کی مثل نہیں سنا۔

زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد وہ ہیں جن کو رزق دیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا قول ابو عمرو بن علاء کا ہے کہ وہ روحانیون ہیں۔ حضرت ابن عباس کے قول کا معنی بھی یہی ہے، ہر ذی روح جو زمین کی سطح پر چلا۔ وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں دنیا ان عالموں میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: اللہ تعالیٰ کے چالیس ہزار عالم ہیں۔ دنیا، مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے۔ مقاتل نے کہا: عالمون، اسی ہزار عالم ہے، چالیس ہزار عالم خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار عالم سمندر میں ہیں۔ ربیع بن انس نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: جن ایک عالم ہے، انسان ایک عالم ہے، اس کے علاوہ زمین کے چار کونے ہیں، ہر کونے میں پندرہ ہزار عالم ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی عبادت کے لئے تخلیق فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں: ان اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ عالم ہر مخلوق و موجود کو شامل ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الشعراء)

اور یہ علم اور علامۃ سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ اپنے موجد پر دلالت کرتا ہے اسی طرح زجاج نے کہا: عالم سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں پیدا فرمایا۔ خلیل نے کہا: العلم، العلامۃ اور المعلم ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر دلالت کرے۔ عالم چونکہ دال ہے اپنے خالق و مدبر پر اور یہ واضح ہے۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت جنید کے سامنے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو حضرت جنید نے اسے کہا: اسے مکمل کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم کہو: رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس شخص نے پوچھا: العالمین کون ہیں حتیٰ کہ تم اللہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہو؟ حضرت جنید نے فرمایا: اے بھائی! تم کہو کیونکہ حادث کا جب قدیم کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جاتا ہے تو حادث کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

مسئلہ نمبر 12: رب میں رفع اور نصب جائز ہے۔ نصب، مدح کی بنا پر اور رفع قطع (1) کی بنا پر۔ یعنی عبارت یوں ہوگی: ھو رب العالمین۔

مسئلہ نمبر 13: الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ - رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے اپنی صفت بیان کرنے کے بعد اپنی تعریف ان کلمات سے فرمائی کہ وہ بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، چونکہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت سے متصف ہونے میں ترہیب تھی اس لئے ساتھ ہی الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ذکر فرما دیا کیوں کہ اس میں ترغیب تھی تاکہ اس کا خوف اور اس کی طرف رغبت دونوں کو اپنی صفات میں جمع کر لے، پس یہ اس کی طاعت اور نافرمانی سے اجتناب میں مددگار ثابت ہوں گی جیسا کہ ارشاد فرمایا: نَبِّیْٔ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ (الحجر) (بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں (اور یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے)۔

اور فرمایا: غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ (غافر: 3) (گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم فرمانے والا ہے)۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مومن وہ سزا جان لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو کوئی جنت کا طمع بھی نہ کرے اور اگر کافر اللہ کی رحمت جان لے تو کوئی جنت سے مایوس نہ ہو" (2)۔

الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ دونوں اسموں کے معانی گزر چکے ہیں پس دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 14: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ - محمد بن سمیقع نے مالک کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں چار لغات ہیں: ۱۔ مالك، ۲۔ ملِك، ۳۔ مَلْك... مَلِكَ سے مخفف..... ۴۔ مليك۔

شاعر نے کہا:

و ایام لنا غرّ طوال　　　عصینا الملك فیھا ان ندینا

ہمارے لئے روشن لمبے دن تھے۔ ان میں ہم نے بادشاہ کی اطاعت کرنے میں نافرمانی کی۔

اور ایک شاعر نے کہا:

فاقنع بما قسم الملیك فانما　　　قسم الخلائق بیننا علامها

میں اس پر قناعت کرتا ہوں جو مالک نے تقسیم فرمایا اور طبائع کو ان کے جاننے والے نے ہمارے درمیان تقسیم فرمایا۔

اس شعر میں الخلائق سے مراد وہ فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیا جاتا ہے، نافع سے ملك میں کسرہ کا اشباع مروی ہے۔ اس شخص کی لغت پر جو حرکات میں اشباع کرتا ہے مَلِکِیْ پڑھا گیا ہے۔ یہ بھی عربوں کی ایک لغت ہے، جس کو مہدوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

1۔ صفت کو موصوف سے جدا کر دیا جائے تو پھر اس سے پہلے مبتدا محذوف ہوتا ہے۔

2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب سعة رحمة الله تعالیٰ، صفحہ 356، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ)

مسئلہ نمبر 15: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مَلِك زیادہ بلیغ ہے یا مالك۔ دونوں قراءتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ امام ترمذی نے ان کو ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مَلِك، یہ مالك سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ہر ملک مالک ہوتا ہے اور ہر مالک، ملک نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مَلِك کا امر، ہر مالک میں اس کی مِلك میں نافذ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مالک، ملک کی تدبیر سے ہی تصرف کرتا ہے۔ ابوعبیدہ اور مبرد نے یہ کہا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مالك زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ انسانوں اور دوسری چیزوں کا مالک ہوتا ہے۔ پس مالك از روئے تصرف کے زیادہ بلیغ اور عظیم ہے کیونکہ شرع کے قوانین کا اجراء اس کی طرف سے ہوتا ہے پھر مالک کے پاس تملک میں زیادتی ہوتی ہے۔

ابوعلی نے کہا: ابوبکر بن سراج نے ان لوگوں سے حکایت کیا ہے جنہوں نے ملک کی قراءت کو پسند کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ اپنی توصیف فرمائی کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اس لئے مالک کی قراءت کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو تکرار ہو جائے گا۔

ابوعلی نے کہا: اس میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم میں اس انداز میں بہت سی اشیاء آئی ہیں عام مقدم ہوتا ہے پھر خاص کا ذکر ہوتا ہے جیسے هو الله الخالق البارئ المصور۔ خالق عام ہے۔ پھر المصور کا ذکر فرمایا کیونکہ اس میں صنعت اور حکمت کے وجود پر تنبیہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (البقرہ) یہ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ:3) کے بعد ذکر فرمایا، جبکہ غیب کا کلمہ آخرت اور دوسری غائب چیزوں کو شامل تھا لیکن آخرت کی عظمت اور اس کے اعتقاد کے وجوب پر تنبیہ اور منکرین کفار کا رد کرنے کے لئے پھر ذکر فرمایا۔ اسی طرح فرمایا: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔ پہلے الرَّحْمٰنِ ذکر فرمایا جو عام ہے اس کے بعد الرَّحِيْمِ ذکر فرمایا کیونکہ و کان بالمومنین رحیما کے ارشاد میں مومنین کے ساتھ اس کی رحمت تخصیص ہے (1)۔

ابوحاتم نے کہا: مالك۔ خالق کی مدح میں ملك سے زیادہ بلیغ ہے اور ملك مخلوق کی مدح میں مالک سے زیادہ بلیغ ہے۔ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ مخلوق میں سے مالک کبھی مَلِك نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ مالک ہوگا تو ملک بھی ہوگا۔ یہ قول قاضی ابوبکر بن عربی نے پسند کیا ہے اور انہوں نے اس کی تین وجوہ ذکر فرمائی ہیں:

۱- تو مالک کو خاص اور عام کی طرف مضاف کرتا ہے اور تو کہتا ہے: مالك الدار والارض والثوب (گھر کا مالک، زمین کا مالک، کپڑے کا مالک) جس طرح تو کہتا ہے: مالك الملوك (بادشاہوں کا مالک)۔

۲- مالک کا اطلاق زیادہ اور تھوڑی ملکیت والے پر ہوتا ہے۔ جب تو ان دونوں قولوں میں غور و فکر کرے گا تو دونوں کو ایک پائے گا۔

۳- تو کہتا ہے: مالك المُلك، جبکہ تو مَلِك المُلك نہیں کہتا۔

ابن حصار نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مالك سے مراد ملک پر دلالت ہے اور یہ مُلك کو متضمن نہیں ہے اور مَلِك دونوں

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 70، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

امروں کو شامل ہے پس مبالغہ کی وجہ سے اولیٰ ہے۔ اور یہ کمال کو بھی متضمن ہے اسی وجہ سے وہ دوسرے تمام بادشاہوں پر ملک کا مستحق ہے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ نہیں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرہ: 247) (بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں) اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الامامة فی قریش (1)۔ اور قریش، عرب قبائل میں سے افضل ہیں اور عرب، عجم سے افضل واشرف ہیں۔ اقتدار اور اختیار کو متضمن ہیں۔ یہ الملک میں ضروری امر ہے اگر وہ قادر، مختار نہ ہو اور اس کا حکم اور امر نافذ نہ ہو تو دشمن اس پر جبر کرے گا اور غیر اس پر غالب آجائے گا اور اس کی رعیت ذلیل و رسوا ہو جائے گی اور یہ سخت پکڑ، امر، نہی، وعدہ، وعید کو بھی متضمن ہے۔

آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ملاحظہ نہیں فرمایا: مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا (النمل) اس کے علاوہ بھی امور عجیبہ عمدہ معانی ملک میں پائے جاتے ہیں جو مالک میں نہیں پائے جاتے۔ میں کہتا ہوں: بعض علماء نے حجت پکڑی ہے کہ مالک زیادہ بلیغ ہے کیونکہ مالک میں ایک حرف زائد ہے اور اس کے قاری (پڑھنے والے) کے لئے دس نیکیاں زیادہ ہوں، جبکہ ملک کے پڑھنے والے کے لئے دس نیکیاں کم ہوں گی۔ میں کہتا ہوں: یہ صیغہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ معنی کے اعتبار سے ہے۔ ملک کے ساتھ قرأت ثابت ہے، اور ملک میں جو معنی پایا جاتا ہے وہ مالک میں نہیں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 16: کسی کا یہ نام نہیں رکھا جائے گا اور اس کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے گا۔ بخاری اور مسلم نے ''حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا: میں الملک ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں گئے'' (2) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین نام اس شخص کا ہے جسے مالک الاملاک کہا جائے (3)۔ مسلم میں یہ زائد ہے۔ ''اللہ کے سوا کوئی مالک نہ ہوگا'' (4)۔ سفیان نے کہا: ملک الاملاک شاہان شاہ کی مثل ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: میں نے ابو عمرو شیبانی سے اخنع کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کا معنی اوضع (گھٹیا) ہے۔ ان سے ہی مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں باعث ناراضگی اور بدترین شخص وہ ہوگا جسے ملک الاملاک کہا جاتا ہوگا، اللہ کے سوا کوئی ملک نہیں ہے (5)۔ ابن حصار نے کہا اسی طرح مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مالک الملک ہے اس میں تو اختلاف نہیں ہونا چاہئے کہ تمام مخلوق پر یہ نام

1۔ صحیح بخاری، صفحہ 497، جلد 1 (وزارت تعلیم)۔ ایضاً، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، حدیث نمبر 3239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، صفحہ 370، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ)
3۔ صحیح بخاری، صفحہ 916، جلد 2 (و۔ت)۔ ایضاً، کتاب الاذان، باب أبغض الاسماء الی اللہ تبارک و تعالیٰ، حدیث 5737، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، صفحہ 208، جلد 2 (قدیمی کتب خانہ) 5۔ ایضاً

رکھنا حرام کیا گیا ہے جس طرح ملک الاملاک حرام کیا گیا ہے، اور رہا مالک اور ملک بطور وصف ذکر کرنا۔

مسئلہ نمبر 17: ان کے ساتھ اس کو موصوف کرنا جائز ہوگا جو ان دونوں مفہوموں کے ساتھ متصف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے تمہارے لئے طالوت کو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناس من امتی عرض علی غزاۃ فی سبیل اللہ یرکبون ثبج ھذا البحر ملوکا علی الأسرۃ او مثل الملوک علی الأسرۃ (1) یعنی میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کئے گئے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے تھے وہ اس سمندر کے وسط پر سوار تھے (جیسے) تختوں پر بادشاہ ہوتے ہیں یا فرمایا بادشاہوں کی مثل تختوں پر سوار تھے۔

مسئلہ نمبر 18: اگر کوئی یہ کہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ کیسے فرمایا جبکہ یَوْمِ الدِّیْنِ ابھی آیا ہی نہیں اور اپنی ایسی چیز کی ملکیت سے صفت بیان کرنا کیسے صحیح ہے جس کو اس نے ابھی پایا ہی نہیں؟ اسے کہا جائے گا کہ مالک اسم فعل کا صیغہ ہے ملک یملک سے۔ اور اسم فاعل عرب کلام میں اپنے مابعد کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور وہ فعل مستقبل کے معنی میں ہوتا ہے اور عربوں کے نزدیک یہ کلام معقول، پختہ اور صحیح ہوتی ہے۔ جیسے تو کہتا ہے: ھذا ضارب زید غدا یعنی وہ کل زید کو مارے گا اور اسی طرح ھذا حاج بیت اللہ فی العامل المقبل، اس کا مطلب ہے آئندہ سال وہ حج کرے گا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ فعل اس کی طرح منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اس نے ابھی وہ فعل کیا نہیں اور اس سے مراد استقبال لیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ استقبال کی تاویل پر ہے یعنی وہ مالک ہوگا روز جزا کا یا وہ روز جزا کا مالک ہوگا جب وہ دن آئے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مالک کی تاویل قدرت کی طرف لوٹنے والی ہوگی یعنی وہ روز جزا میں قادر ہوگا، یا یہ معنی کہ وہ روز جزا پر قادر ہوگا اور اسے پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ کسی شے کا مالک اسی شے میں تصرف کرنے والا اور اس پر قادر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے اور اپنے ارادہ کے مطابق انہیں پھیرنے والا ہے اس پر اسے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ پہلی وجہ عربی زبان کے اصول سے زیادہ مس کرنے والی ہے اور اس کے ضابطہ کے مطابق زیادہ جاری ہونے والی ہے۔ یہ ابو القاسم الزجاجی کا قول ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ یہاں يَوْمِ الدِّيْنِ کی ملکیت کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اور دوسری چیزوں کا بھی مالک ہوگا۔ جواباً کہا جائے گا کہ لوگ دنیا میں ملک میں جھگڑا کرنے والے تھے جیسے فرعون، نمرود وغیرہما لیکن اس دن اس کی ملک میں کوئی اس سے جھگڑا کرنے والا نہ ہوگا تمام لوگ سر جھکائے ہوئے ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (غافر: 16) آج بادشاہی کس کے لئے ہے، ساری مخلوق جواب دے گی: للہ الواحد القھار اللہ واحد قہار کی ہے۔ اسی لئے فرمایا: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی اس دن میں نہ کوئی مالک ہوگا، نہ قاضی ہوگا، نہ کوئی جزا دینے والا ہوگا سوائے اللہ تعالیٰ کے، پاک ہے وہ ذات کوئی معبود برحق نہیں سوائے اس کے۔

1۔ صحیح بخاری، صفحہ 391، جلد 1 (وت)۔ ایضاً، کتاب الجہاد، باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء، حدیث 2580، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 19: اگر اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی جائے کہ وہ ملک ہے تو یہ اس کی ذات کی صفات سے ہوگی۔ اگر مالک کے ساتھ صفت بیان کی جائے تو یہ اس کے فعل کی صفات سے ہوگی۔

مسئلہ نمبر 20: الیوم سے مراد طلوع فجر سے لے کر غروب شمس تک وقت ہے پھر یہ عاریۃً یا مجازاً قیامت کے آغاز سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے لئے بولا جاتا ہے کبھی الیوم پورے دن کی ایک گھڑی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ:3) یوم کی جمع ایام ہے۔ اصل میں ایوام تھا پھر ادغام کیا گیا بعض اوقات، شدت کو الیوم سے تعبیر کرنے میں کہا جاتا ہے۔ یوم ایوم، جس طرح کہا جاتا ہے: لیلۃ لیلاء۔ راجز نے کہا:

نعم اخو الهیجاء فی الیوم الیمی۔

ہیجا کا بھائی شدت میں کتنا اچھا تھا۔

اس مصرعہ میں الیمی میں قلب کیا گیا ہے۔ واؤ کو مؤخر کیا گیا ہے اور میم کو مقدم کیا گیا ہے۔ پھر واؤ کو یاء سے قلب کیا گیا ہے کیونکہ وہ طرف کلمہ میں ہے جیسا کہ عرب دلو کی جمع میں ادل کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 21: الدین۔ اس کا مطلب اعمال پر جزا اور اعمال کا حساب ہے۔ حضرات ابن مسعود، ابن عباس، ابن جریج اور قتادہ وغیرہم نے اسی طرح فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی یہ مروی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (النور:25) اس آیت میں دین سے مراد حساب ہے۔ فرمایا: اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (غافر:17) اور فرمایا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الجاثیہ:28) اور فرمایا: ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ (صافات) یعنی ہم جزا دیئے جائیں گے اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا۔ لبید نے کہا:

حصادك يوماً ما زرعت و انما يدان الفتى يوماً كما هو دائنٌ

تو اس دن وہی کاٹے گا جو تو نے بویا، نوجوان کو جزا دی جائے گی جو وہ کرنے والا ہوگا۔

ایک اور نے کہا:

اذا ما رمونا رميناهم و دنا هم مثل ما يقرضونا

جب انہوں نے ہم پر تیر پھینکے تو ہم نے ان پر تیر پھینکے اور ہم نے انہیں جزا دی جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔

ایک اور نے کہا:

واعلم يقينا ان ملكك زائلٌ واعلم بان كماتدين تدان

جان لو کہ تمہاری حکومت ختم ہونے والی ہے اور جان لو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اہل لغت نے بیان کیا ہے: دِنْتُهٗ بفعله دِيْنًا (مصدر) دال کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے: میں نے اسے جزا دی، اسی سے ہے: الدیان۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یعنی جزا دینے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: الكيس من

دان نفسه (1) (عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے) بعض نے فرمایا: الدین سے مراد فیصلہ ہے۔ یہ بھی حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اسی معنی میں طرفہ کا قول ہے۔

لعمرك ما كانت حمولة معبد علی جدها حربًا لدينك من مضر

تیری عمر کی قسم معبد کے اونٹ کنویں پر تیرے فیصلہ کی وجہ سے مضر قبیلہ سے جنگ کرنے کے لئے نہیں تھے۔

دین کے یہ تینوں معانی قریب قریب ہیں۔ الدین کا معنی طاعت بھی ہے۔ اس معنی میں عمرو بن کلثوم کا شعر ہے۔

و ايام لنا غر طوال عصينا الملك فيها ان ندينا

ہمارے لئے روشن لمبے دن تھے۔ ہم نے ان میں بادشاہ کی اطاعت کرنے میں نافرمانی کی۔

پس یہ دین کا لفظ مشترک ہے۔

مسئلہ نمبر 22: ثعلب نے کہا: دان الرجل کا مطلب ہے اس نے اطاعت کی اور دان کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس نے نافرمانی کی۔ دان اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب کوئی عزت پائے اور اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب کوئی ذلیل ہو اور اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب کوئی غالب آئے۔ پس یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ الدین کا اطلاق عادت اور شان پر بھی ہوتا ہے جیسا ہے کہ ایک شاعر نے کہا:

كدينك من ام الحويرث قبلها جیسا کہ تیری شان ام الحویرث کی طرف سے ہے۔

مثقب نے اپنی اونٹنی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

تقول اذا درأتُ لها وضيني اهذا دينه ابداً و ديني

وہ اونٹنی کہتی ہے جب میں اس کا تنگ زمین پر بچھا دیتا ہوں یہ اس کی اور میری ہمیشہ کی عادت ہے۔

الدین بادشاہ کی عملداری کو بھی کہتے ہیں۔ زہیر نے کہا:

لئن حللت بجو فی بنی اسد فی دین عمرو وحالت بيننا فَدَكُ

اگر تو بنی اسد میں جو کے مقام پر عمرو کی عملداری میں اترے گا تو ہمارے درمیان فدک کا مقام حائل ہوگا۔

شاعر نے عمرو کی طاعت کی جگہ مراد لی ہے۔

الدین سے مراد بیماری بھی ہے۔ لحیانی سے مروی ہے، اس نے کہا:

یا دین قلبك من سلمی و قد دينا

اس میں دین بمعنی مرض استعمال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 23: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ اللہ تعالیٰ نے غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغہ کی طرف رجوع فرمایا کلام میں رنگینی پیدا کرنے کے لئے کیونکہ سورت کے آغاز سے لے کر یہاں تک اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر تھی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، حدیث نمبر 4249، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور اس کی ثنا تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدہر) (اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب)۔ پھر آگے مخاطب کی ضمیر ذکر فرمائی۔ فرمایا: اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً (الدہر:22) (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے۔ اسی طرح اس کا الٹ بھی قرآن میں ہے یعنی پہلے مخاطب کے صیغے اور پھر غائب کے صیغے ذکر فرمائے۔ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ (یونس:22) (یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر) اس کا ذکر آگے آئے گا۔

نعبد کا معنی ہے نطیع (ہم عبادت کرتے ہیں) عبادت کا مطلب طاعت اور عجز و انکساری کا اظہار کرنا ہے۔ طریق معبد اس راستہ کو کہتے ہیں جو چلنے والوں کے لئے آسان بنایا گیا ہو۔ یہ ہروی کا قول ہے۔ بندہ جب یہ کہتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں وغیرہ کو بھی پوجتے ہیں۔ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○۔ یعنی ہم تجھ سے ہی مدد، تائید اور توفیق طلب کرتے ہیں۔ سلمی نے ''حقائق'' میں کہا: میں نے محمد بن عبداللہ بن شاذان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوحفص فرغانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○ کا اقرار کیا وہ جبر و قدر سے بری ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 24: اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کیوں کیا گیا ہے تو جواباً کہا جائے گا اہتمام کی خاطر مقدم کیا گیا ہے۔ عربوں کی یہ عادت ہے کہ اہم کو مقدم کر دیتے ہیں۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک بدو نے دوسرے بدو کو گالی دی تو جس کو گالی دی گئی اس نے گالی دینے والے سے اعراض کیا۔ گالی دینے والے نے اس سے کہا: ایاک اعنی (میری مراد تو ہی ہے)۔ اسے دوسرے نے کہا: وعنك اعرض میں تجھ ہی سے اعراض کرتا ہوں۔ دونوں نے اہم کو مقدم کیا۔ اسی طرح بندے اور عبادت کو معبود پر مقدم نہیں کیا گیا۔ پس نعبدك اور نستعینك، و لا نعبد ایاك و نستعین ایاك جائز نہیں کہ فعل کو مفعول کی ضمیر پر مقدم کیا جائے، لفظ قرآن کی اتباع کی جائے گی۔ عجاج نے کہا:

ایاك ادعو فتقبل ملقی و اغفر خطایای و کثر ورقی

میں تجھ سے ہی التجا کرتا ہوں، میری عاجزی کو قبول فرما، میرے گناہ معاف فرما اور میرے مال سے زیادہ فرما۔

اور شعر بھی مروی ہے۔ رہا شاعر کا قول:

الیك حتی بلغت ایاکا اونٹنی تیری طرف چلی حتیٰ کہ تیرے پاس پہنچ گئی۔

یہ شاذ ہے اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ ورق راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو مراد دراہم اور واو کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مراد مال ہو گا۔ آیت میں ضمیر کو مکرر فرمایا تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور غیر سے مدد چاہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 25: جمہور قراء اور علماء ایاک کو یاء کی شد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ عمرو بن فائد نے ایاک کو ہمزہ کے کسرہ اور یاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے یاء کی تضعیف کو ناپسند کیا ہے کیونکہ یاء کی تشدید اور اس کے ماقبل کسرہ ہونے کی وجہ سے ثقل لازم آتا ہے یہ قرأت مرغوب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہو گا ہم تیرے سورج یا تیری روشنی کی عبادت

کرتے ہیں ایاۃ الشمس کا مطلب ہے سورج کی روشنی اور کبھی ہمزہ کو فتح بھی دیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

سقتهٔ اياة الشمس الا لثاته أُسِفّ فلم تكدم عليه باثمد

اس میں شاعر نے ایاۃ کو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

اگر تو ہا کو گرا دے تو مد کے ساتھ پڑھے گا۔ کہا جاتا ہے: الایاۃ للشمس کالھالۃ للقمر یعنی چاند کے اردگرد کے دائرہ کو ہالہ کہتے ہیں اور سورج کے دائرہ کو ایاۃ کہتے ہیں۔ فضل رقاشی نے ایاك ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مشہور لغت ہے(1)۔ ابوسوار غنوی نے دونوں جگہ پر ھِیَاك پڑھا ہے۔ یہ بھی ایک لغت ہے۔ شاعر نے کہا:

فهياك والامر الذى ان توسعت موارده ضاقت عليك مصادره

یہاں ھیاك، ایاك کے لئے استعمال ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 26: وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝۔

جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ یحییٰ بن وثاب اور اعمش نے نستعین کو نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تمیم، اسد، قیس اور ربیعہ قبائل کی لغت ہے تا کہ مدد طلب کرنے والے پر دلالت کرے، نون کو کسرہ دیا جاتا ہے جس طرح الف وصل کو کسرہ دیا جاتا ہے۔ نستعین اصل میں نَسْتَعِوِن تھا واؤ کی حرکت عین کو دی تو واو یاء بن گئی۔ اس کا مصدر استعانۃ ہے اصل میں استعوان تھا۔ واو کی حرکت عین کو دی گئی تو واو الف سے بدل گئی، دو ساکن جمع نہیں ہوتے، تو دوسرے الف کو حذف کیا گیا کیونکہ یہ زائدہ تھا۔ بعض نے فرمایا: پہلے الف کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرا معنی کے لئے ہے اور ھاء عوضاً لازم ہے (یعنی واو کو حذف کیا تو اس کے عوض آخر میں ھاء لازم ہے۔)

مسئلہ نمبر 27: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝

اھدنا، مربوب کی، رب کی بارگاہ میں دعا اور رغبت ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہماری سیدھے راستہ پر رہنمائی فرما اور سیدھے راستہ کی طرف ہمیں ہدایت عطا فرما اور ہمیں اپنی ہدایت کا وہ راستہ دکھا جو تیری عبادت اور تیرے قرب تک پہنچنے والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دعا اور تمام چیزوں کو اس سورت میں رکھ دیا۔ اس کے نصف میں ثنا ہے اور نصف میں حاجات کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ اس سورت میں جو دعا ہے وہ اس دعا سے افضل ہے جو دعا کرنے والا خود مانگتا ہے کیونکہ یہ وہ کلام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ اور حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ معزز کوئی چیز نہیں'' (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہمیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں سنن کے استعمال کی رہنمائی فرما۔ بعض نے فرمایا: اس میں اصل امالہ (مائل کرنا) ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (اعراف:156) یعنی ھدنا کا معنی ہم مائل ہوئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض کی حالت میں مسجد میں تشریف لائے۔ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 72، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

2۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، صفحہ 173، جلد 2 (وزارت تعلیم)

راوی نے کہا: یتہادی بین اثنین یعنی دو آدمیوں کے درمیان جھک کر چل رہے تھے۔ یہاں یتہادی بمعنی یتمایل ہے۔ اس سے الھدیۃ ہے جو ایک شخص کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت کی طرف جاتا ہے۔ اسی سے الھدی اس حیوان کو کہا جاتا ہے جو حرم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہمارے دلوں کو حق کی طرف مائل کر دے۔ فضیل بن عیاض نے کہا: الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے مراد دلائل کا راستہ ہے، یہ خاص ہے، جبکہ عمومی معنی بہتر ہے۔

محمد بن حنفیہ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے بارے میں فرمایا: یہ اللہ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ بندوں سے کوئی دین قبول نہیں کرتا۔

عاصم احوال نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے، الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے دو خلفاء ہیں۔ عاصم نے کہا: میں نے حسن سے کہا: ابوالعالیہ کہتے ہیں: الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی (ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما) ہیں۔ حسن نے کہا: انہوں نے سچ کہا اور ٹھیک کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 28: الصِّرَاطَ کا اصل معنی عرب کلام میں الطریق ہے۔ عامر بن طفیل نے کہا:

شحنا ارضهم بالخيل حتى　　　تركنا هم اذل من الصراط

شاعر نے الصِّرَاطَ کو راستہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

جریر نے کہا:

امير المومنين على صراط　　　اذا اعوج الموارد مستقيم

اس شعر میں صراط بمعنی راستہ استعمال کیا ہے یعنی امیر المومنین سیدھے راستہ پر ہے۔

ایک اور نے کہا:

فصد عن نهج الصراط الواضح　　　اس نے واضح راستہ سے روکا۔

نقاش نے بیان کیا کہ رومی لغت میں الصِّرَاطَ کا مطلب الطریق (راستہ) ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ ضعیف قول ہے (1)۔ السراط (سین کے ساتھ) بھی پڑھا گیا اور اس صورت میں یہ الاستراط سے مشتق ہوگا جس کا معنی الابتلاع (نگلنا) ہے۔ گویا راستہ چلنے والوں کو نگل لیتا ہے۔ راء اور صاد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور سین اصل ہے۔ سلمہ نے فراء سے روایت کیا ہے، فراء نے کہا: الزراط۔ خالص زاء کے ساتھ عذرہ، کلب اور بنی القین کی لغت ہے۔ فرمایا: لوگ کہتے ہیں: ازدق جب انہوں نے اصدق کہنا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: الازد اور الاسد ولسق به اور لصق به۔ الصراط، دوسرے مفعول کی حیثیت سے منصوب ہے، کیونکہ ہدایت کا فعل حرف جر کے واسطہ سے دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (الصافات) اور ہدایت کا فعل بغیر حرف جر کے بھی دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ الْمُسْتَقِيْمَ، الصِّرَاطَ کی صفت ہے۔ مستقیم اسے کہتے ہیں جس میں کوئی ٹیڑھا پن

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 73، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

اور انحراف (موڑ) نہ ہو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (انعام: 153) مستقیم اصل میں مستقوم تھا۔ واو کی حرکت نقل کر کے ماقبل قاف کو دی گئی پھر واو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

مسئلہ نمبر 29: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ

صِرَاطَ، الصِّرَاطَ سے بدل کل ہے جیسے تو کہتا ہے: جاءنی زیدٌ ابوك۔ اس آیت کا مطلب ہے ہمیں ہمیشہ اپنی ہدایت عطا فرما کیونکہ انسان راستہ کی طرف رہنمائی کیا جاتا ہے پھر وہ اس سے بھٹک بھی جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس صراط سے مراد اور صراط ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا فہم۔ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے اور قرآن کی لغت الذین ہی ہے حالت رفعی، نصبی اور جری میں اور ہذیل حالت رفعی میں اللذون کہتے ہیں۔ عربوں میں کچھ کہتے ہیں اللذ و اور بعض الذی کہتے ہیں (خواہ حالت رفعی ہو نصبی ہو یا جری ہو) جیسا کہ آگے آئے گا۔

عَلَیْهِمْ میں دس لغات ہیں: عَلَیْهِمْ ہاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ ھا کے کسرہ اور میم کے سکون کے ساتھ۔ علیھمی ھا اور میم کے کسرہ اور کسرہ کے بعد یاء کے الحاق کے ساتھ۔ علیھمو۔ ھا کے کسرہ، میم کے ضمہ اور ضمہ کے بعد واو کی زیادتی کے ساتھ۔ علیھمُو ھاء اور میم کے ضمہ اور میم کے بعد واو کے ادخال کے ساتھ علیھم ھا اور میم کے ضمہ کے ساتھ واو کی زیادتی کے بغیر۔ یہ چھ وجوہ قراء ائمہ سے منقول اور چار وجوہ عربوں سے منقول ہیں قراء کی طرف سے بیان نہیں کی گئیں۔ علیھِمِیْ ھا کے ضمہ، میم کے کسرہ اور میم کے بعد یاء کے ادخال کے ساتھ یہ حضرت حسن بصری نے عربوں سے حکایت کیا ہے۔ علیھم ھا کے ضمہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ یاء کی زیادتی کے بغیر۔ علیھِمُ ھا کے کسرہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ واو کے الحاق کے بغیر۔ علیھِمِ ھاء اور میم کے کسرہ کے ساتھ میم کے بعد یاء کے بغیر۔ یہ تمام صورتیں درست ہیں۔ یہ ابن انباری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 30: حضرت عمر بن خطاب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے صراط من انعمت علیھم پڑھا ہے۔ علماء مفسرین کا اختلاف ہے کہ کون لوگ مراد ہیں جن پر انعام کیا گیا ہے۔ جمہور مفسرین نے فرمایا: اس سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (النساء) (اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی)۔

ہدایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ لوگ صراط مستقیم پر ہیں اور آیت الحمد میں ہی مطلوب ہے اور تمام اقوال کا مرجع یہی ہے۔ اس لئے متعدد اقوال ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ فاللہ المستعان

مسئلہ نمبر 31: اس آیت میں قدریہ اور معتزلہ، امامیہ کا رد ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان سے فعل کے صدور میں انسان کا ارادہ ہی کافی ہے خواہ وہ فعل طاعت ہو یا معصیت ہو کیونکہ ان کے نزدیک انسان اپنے افعال کا خالق ہے وہ اپنے افعال کے صدور میں اپنے رب کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب فرمائی کیونکہ انہوں نے

صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا اس کی بارگاہ سے سوال کیا۔ اگر معاملہ ان کے سپرد ہوتا اور ان کے اختیار میں ہوتا ان کے رب کے پاس یہ معاملہ نہ ہوتا تو وہ ہدایت کا اس سے سوال نہ کرتے اور ہر نماز میں بار بار سوال نہ کرتے۔ اسی طرح مصیبت کے دور کرنے میں اس کی طرف ان کا تضرع وزاری کرنا بھی ہے۔

اور مکروہ سے مراد ہدایت کے مخالف چیز ہے۔ جب انہوں نے کہا: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝ جس طرح انہوں نے اس سے اپنی ہدایت کا سوال کیا اس طرح انہوں نے سوال کیا کہ انہیں گمراہ نہ کر۔ اسی طرح وہ دعا مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران: 8)

مسئلہ نمبر 32: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝

علماء کا اختلاف ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ سے کون مراد ہیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ عدی بن حاتم کی حدیث میں اور ان کے اسلام کے قصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات تفسیر سے ذکر کی گئی ہے(1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو یہود کے بارے میں وارد ہے وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ: 61) (وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔) اور فرمایا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (الفتح: 6) (ان پر اللہ کا غضب ہوا) اور نصاریٰ کے بارے فرمایا: قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ (المائدہ: 77) (جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے (قوم) اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے) بعض علماء فرماتے ہیں: الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد مشرکین ہیں اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد منافقین ہیں۔ اور بعض نے فرمایا: الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نماز میں اس سورت کی فرضیت کو ساقط کیا۔ الضَّآلِّيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی قراءت کی برکت سے گمراہ ہوئے۔ یہ قول سلمی نے اپنی ''حقائق'' میں اور ماوردی نے اپنی تفسیر میں حکایت کیا ہے لیکن اس قول کی کوئی حقیقت نہیں۔ ماوردی نے کہا: یہ قول مردود ہے کیونکہ جب اس کے مفہوم میں اخبار آپس میں معارض ہیں اور آثار مقابل ہیں اور اختلاف پھیلا ہوا ہے تو اس پر اس حکم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتوں کی اتباع کی اور اس وجہ سے ان پر غضب ہوا۔ الضَّآلِّيْنَ سے سنن ہدیٰ سے گمراہ لوگ مراد ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول حسن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر اولیٰ، اعلیٰ اور احسن ہے۔ عَلَيْهِمْ حالت رفعی میں ہے کیونکہ اس کا معنی ان پر غضب کیا گیا۔ لغت میں غضب کا معنی شدت ہے۔ رجلٌ غضوب، یعنی سخت حلق والا شخص۔ الغضوب بڑے سانپ کو کہتے ہیں اس کی شدت کی وجہ سے۔ الغضبتہ اس ڈھال کو کہتے ہیں جو اونٹ کی جلد سے بنائی جاتی ہے اور تہہ در تہہ ہوتی ہے۔ اس کی شدت کی وجہ سے اسے الغضبة کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت میں غضب کا معنی سزا کا ارادہ کرنا ہے۔ یہ ذات کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی ذات کی صفات سے ہے۔ یا اس کا معنی نفس عقوبت (سزا) ہے۔ اسی مفہوم میں حدیث

1۔ جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، الباب تفسیر فاتحۃ الکتاب، صفحہ 199، جلد 2 (وزارت تعلیم)

استعمال ہوئی ہے: ان الصدقة لتطفئ غضب الرب۔(1) (صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے یہ فعل کی صفت ہے)۔

مسئلہ نمبر 33: وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ عرب کلام میں الضلال کا مطلب حق کے راستہ اور قصد کے طریقوں سے دور چلا جاتا ہے۔ اس معنی میں یہ مثال ہے: ضل اللبن فی الماء، یعنی دودھ پانی میں غائب ہو گیا۔ ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ (السجدہ: 10)۔ یعنی ہم موت کے ساتھ غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے۔ شاعر نے کہا:

ألم تسأل فتخبرك الديار عن الحی المضلل اين ساروا

کیا تو نے نہیں پوچھا کہ تجھے گھر خبر دیتے غائب قبیلہ کے متعلق کہ وہ کہاں چلے گئے۔

الضلضلة اس ملائم پتھر کو کہتے ہیں پانی جسے وادی میں گھماتا رہتا ہے۔ اسی طرح الغضبة پہاڑ میں اس چٹان کو کہتے ہیں جس کا رنگ پہاڑ سے مختلف ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

او غضبة فی هضبة ما امنعا

مسئلہ نمبر 34: حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابی بن کعب نے غير المغضوب عليهم وغير الضالين پڑھا ہے(2) اور ان دونوں حضرات سے راء پر نصب اور جر کا پڑھنا مروی ہے اور جر یہ الَّذِيْنَ سے عَلَيْهِمْ میں ھا اور میم سے بدل ہونے کی وجہ سے ہوگا یا الَّذِيْنَ کی صفت کی حیثیت سے ہوگا۔ الَّذِيْنَ معرفہ ہے اور اصول یہ ہے کہ معرفہ کی صفت نکرہ سے اور نکرہ کی صفت معرفہ سے نہیں لگائی جاتی۔ لیکن یہاں الَّذِيْنَ سے متعین افراد نہیں ہیں بلکہ یہ عام ہے۔ پس یہ تیرے اس قول کے قائم مقام ہوگا: انی لا مر بمثلك فا كرمه۔ یا غَيْرِ کا لفظ معرفہ بن گیا ہے کیونکہ یہ دو چیزوں کے درمیان ہے جن کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (یعنی دو ضدوں کے درمیان ہے اور دو ضدوں کے درمیان غَيْرِ آئے تو معرفہ بن جاتا ہے) جیسے الحی غیر المیت، الساکن غیر المتحرك، القائم غیر القاعد۔

یہ ترکیب کے دو قول ہیں: پہلا فارسی کا ہے اور دوسرا زمخشری کا ہے اور غَيْرِ پر نصب کی دو وجہیں ہیں: یا تو الَّذِيْنَ سے حال ہے یا عَلَيْهِمْ میں ھا اور میم سے حال ہے۔ گویا تو نے کہا: انعمت علیهم لا مغضوباً علیهم یا استثناء کی بنا پر نصب ہے۔ گویا تو کہتا ہے: الا المغضوب علیهم۔ اور اعنی فعل کے ساتھ نصب جائز ہے۔ خلیل سے یہ حکایت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 35: وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں جو لَا ہے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ زائدہ ہے۔ یہ طبری کا قول ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (اعراف: 12) (اس میں لا زائدہ ہے)۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تاکید کے لئے داخل کیا گیا ہے تاکہ وہم نہ ہو کہ الضَّآلِّيْنَ، الَّذِيْنَ پر معطوف ہے۔ یہ قول مکی اور مہدوی نے حکایت کیا ہے۔ کوفیوں نے کہا لا بمعنی غَيْرِ ہے۔ یہ عمر اور ابی کی قراءت ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 36: الضَّآلِّيْنَ اصل میں الضاللین تھا۔ پہلے لام کی حرکت حذف کی گئی پھر لام کو لام میں ادغام کیا گیا۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ما جاء فضل الصدقة، صفحہ 184، جلد 1 (وزارت تعلیم)

2۔ المحرر الوجیز، صفحہ 78، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)

پس دو ساکن جمع ہوئے۔ مدۃ الالف اور لام مدغمہ۔ ایوب سختیانی نے ولا الضألین غیر ممدودہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا اس نے التقاء ساکنین سے دوری اختیار کی۔ یہ بھی ایک لغت ہے۔ ابوزید نے حکایت کیا ہے، فرمایا: میں نے عمرو بن عبید کو اسی طرح پڑھتے سنا ہے: فیومئذ لا یسأل عن ذنبہ انس ولا جأن۔ میں نے گمان کیا انہوں نے غلطی کی ہے حتیٰ کہ میں نے عربوں سے سنا: دأبۃ و شأبۃ۔ ابوالفتح نے کہا: اس لغت پر بہت سے اقوال ہیں۔

اذا ما العوالی بالعبیط احمأرت۔(1)

جب تازہ خون کی وجہ سے نیزوں کی انیاں سرخ ہو گئیں۔

سورۃ الحمد کی تفسیر ہم مکمل کرتے ہیں۔ سب تعریفیں اور احسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، صفحہ 78، جلد 1 (دار الکتب العلمیہ)